RNI No. - MAHURD/2011/49433

اهل السنة
Ahl Us Sunnah

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

مارچ ۲۰۲۶ء | March 2026

دعائے شب قدر

اللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي

کی تحقیق

علامہ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کے محاضرات کا تحریری سلسلہ

جاوید اختر کا سوال: جذبات عقل اور حقیقت

صبر و استقامت: دین و دنیا کی کامیابی

ایڈیٹر: ابوفوزان کفایت اللہ سنابلی

نائب ایڈیٹر: آفاق احمد سنابلی مدنی

Vol: 15 | Issue : 03 | Urdu-Monthly | Mumbai | March 2026 | Page 52 | Price: 40/-

سلسلۂ کلام شاعر: شعراء اہل حدیث ہند 8

حسن طلب

کلام: استاذ الاساتذہ فضیلۃ الشیخ عزیز الرحمان عزیز سلفی حفظہ اللہ

سابق شیخ الحدیث مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس الہند

انتخاب و ترتیب: ابو البیان رفعت سلفی

اے کاش مری بگڑی کی طرف، قدرت کا اشارا ہو جاتا
طوفاں میں پھنسی کشتی کا مری، منجدھار کنارا ہو جاتا
تقدیر مری بھی بن جاتی، سرسبز مرا ہو جاتا شجر
محشر میں مری جانب بھی اگر تسنیم کا دھارا ہو جاتا
تسکین مجھے حاصل ہوتی، ایمان مرا ہوتا تازہ
اک بار مری آنکھوں کو اگر، طیبہ کا نظارہ ہو جاتا
بدیوں کی گھنیری راتوں میں، پھرتا ہوں، کوئی رہبر بھی نہیں
اے کاش مری شب میں بھی کوئی، ضوبار ستارہ ہو جاتا
عِصیان و خطا کی وادی میں، آواز لگاتا پھرتا ہوں
مل جاتا مجھے اک کوئی خَضِر، یا کوئی سہارا ہو جاتا
بدعات کی آندھی ہے ہر سو، معدوم ہے روح ایمانی
الحاد کے خرمن پر نازل، پھر کوئی شرارا ہو جاتا
پھیلائے ہوئے دست دعا، روتا ہے عزیز اور کہتا ہے
دنیا نہ ہماری ہو لیکن اللہ ہمارا ہو جاتا

❁❁❁

Ahlus Sunnah Volume No.15, Issue No.03, March, 2026

جلد: ۱۵
شمارہ: ۳

فی شمارہ Rs. 40/-
سالانہ Rs. 400/-

مارچ ۲۰۲۶ء

ماہنامہ

اہل السنۃ
Ahlus Sunnah
اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی   نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: ابوفوزان کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر: آفاق احمد سنابلی مدنی
رابطہ نمبر: 7045788251

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی ● حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی

فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی ● دکتور عبید الرحمٰن مدنی ● شیخ نور الحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ: اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at : Alwan Prints, A1/215, Shah & Nahar Industrial Estate, S.J Marg,
Lower Parel (West), Mumbai - 400 013.

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٤

اهل السنة
Ahl Us Sunnah

مارچ ۲۰۲٦ء | March 2026

فہرست

عنوان	مضمون نگار	صفحہ
حائضہ عورت کا عیدین میں شرکت کا حکم	ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی	5
دعائے شب قدر "اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي" کی تحقیق (قسط اول)	کفایت اللہ سنابلی	7
علامہ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کے محاضرات کا تحریری سلسلہ...... (قسط: ٤)	ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی	15
جاوید اختر کا سوال: جذبات عقل اور حقیقت	حسان عبد الغفار	20
ڈر ہے چبا نہ جائیں کلیجہ نکال کر!	اسامہ عبد القادر النہدی	25
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابوں کا تعارفی سلسلہ قسط: (١٨)	ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی	30
صدیوں کے مجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہ ...خطاب از: شیخ عبد الحسیب مدنی	تلخیص وپیشکش: ام محمد خوشنما مصلح الدین	35
صبر واستقامت: دین ودنیا کی کامیابی	بنت اصغر حسین، کرناٹک	42
ماں کی ممتا	آمنہ شرمین ام محمد ازلان	47

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

درس حدیث

حائضہ عورت کا عیدین میں شرکت کا حکم

ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ:"أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ، وَذَوَاتِ الْخُدُورِ، فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ، وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا.

ترجمہ:

ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہمیں حکم ہوا کہ ہم عیدین کے دن حائضہ اور پردہ نشین عورتوں کو بھی باہر لے جائیں تاکہ وہ مسلمانوں کے اجتماع اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوسکیں۔ البتہ حائضہ عورتوں کو نماز پڑھنے کی جگہ سے دور رکھیں۔ ایک عورت نے کہا یارسول اللہ! ہم میں بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے پاس (پردہ کرنے کے لیے) چادر نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی ساتھی عورت اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اڑھا دے۔[صحيح البخاري :حديث:۳۵۱]

ام عطیہ کا تعارف:

ان کا نام نسیبہ بنت کعب یا حارث ہے، یہ ام عطیہ کے نام سے مشہور ہیں، انصاری صحابیہ ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کیا تھا، کبار صحابیات میں ان کا شمار ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئی غزوہ انہوں نے کیا ہے۔ زخمیوں کا مرہم پٹی کیا کرتی تھیں، بہت سے صحابہ اور بصرہ کے کئی تابعین علماء ان سے میت کو غسل دینے کا طریقہ سیکھتے تھے۔ کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دینے میں شامل تھیں، اس وجہ سے انہیں میت کو غسل دینے کا طریقہ بیان کرتے کرتے بہت اچھے سے یاد ہوگیا تھا۔ میت کو غسل دینے سے متعلق ان کی حدیث اصل کا درجہ رکھتی ہے۔[تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزی:۳۵/۳۱۶]

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: تُوُفِّيَتْ إِحْدَى بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اغْسِلْنَهَا بِالسِّدْرِ وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَلِكَ وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي، فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ

فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَضَفَرْنَا شَعَرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ وَأَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک صاحبزادی کا انتقال ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دے دو۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہو اور آخر میں کافور یا (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ) تھوڑی سی کافور استعمال کرو پھر جب غسل دے چکو تو مجھے خبر دو۔ چنانچہ فارغ ہو کر ہم نے آپ کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کے کفن کے لیے) اپنا ازار عنایت کیا۔ ہم نے اس کے سر کے بالوں کی تین چوٹیاں کر کے انہیں پیچھے کی طرف ڈال دیا تھا۔[صحیح بخاری:۱۲۶۳]

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ. قَالَتْ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم سَبْعَ غَزَوَاتٍ، أَخْلُفُهُمْ فِي رِحَالِهِمْ. فَأَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ، وَأُدَاوِي الْجَرْحَى، وَأَقُومُ عَلَى المرضى.

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوئی، میں مجاہدین کے پیچھے رہتی، ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور مریضوں کی خدمت کرتی۔[صحیح مسلم، حدیث:۱۸۱۲]

فوائد حدیث:

(۱) عیدگاہ میں نماز عید کے لیے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شرکت کریں گی۔ یہاں تک کہ حائضہ عورتیں بھی عید گاہ جائیں گی۔ ہاں وہ نماز نہیں ادا کریں گی۔

(۲) انصار خواتین کے شرعی احکامات پر عمل کو کیا گیا ہے، کہ وہ پردہ کا کس قدر اہتمام کیا کرتی تھیں، بغیر مکمل پردہ کے وہ باہر نہیں نکلتی تھیں۔

(۳) دعوۃ المسلمین کا مطلب ہے کہ وہ حائضہ عورت وعظ وارشاد اور تکبیر ودعا وغیرہ میں شرکت کرے گی۔

(۴) نماز میں سترہ پوشی مکمل ضروری ہے، گرچہ اس کے لیے کسی سے عاریتا کپڑا لینا پڑے۔

(۵) "لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا" سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتماعی طور پر ایک دوسرے کا، کار خیر میں مدد کی تعلیم دی ہے۔

(۶) مصلیٰ سے حائضہ عورتیں الگ رہیں گی۔

(۷) حائضہ عورت کا ذکر واذکار اور دعا وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(قسط اول)

دعائے شب قدر ”اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي“ کی تحقیق

تحریر: کفایت اللہ سنابلی

یہ حدیث مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے۔ ہم سب سے پہلے مرفوع حدیث پر بات کریں گے اور اخیر میں موقوف روایت پر بحث ہوگی۔

اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے معاصر اہل علم و باحثین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ”اماں عائشہ رضی اللہ عنہا“ سے ”عبداللہ بن بریدہ“ کے سماع کا انکار کیا ہے۔ پھر طرفین کی بحث اس نکتے پر مرکوز ہو جاتی ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کا یہ فیصلہ درست اور معتبر ہے یا اسے غیر مقبول اور غیر معتبر سمجھا جائے۔

لیکن اس بحث میں ہم قارئین کے سامنے اس حقیقت سے پردہ اٹھائیں گے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کا اصلاً ایسا کوئی موقف موجود ہی نہیں کہ ”عبداللہ بن بریدہ“ کا ”ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا“ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ درحقیقت، امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اصل کلام اور ان کی کتابوں کی تمام متعلقہ عبارات کو براہ راست سامنے رکھنے کے بجائے، بعض متأخرین نے ثانوی مراجع پر زیادہ اعتبار کرلیا، جس کی وجہ سے یہ غلط فہمی پھیل گئی۔ اس غلط فہمی سے متأثر ہوکر معاصر کئی باحثین بھی اسی نتیجے پر پہنچ گئے۔ ورنہ متقدمین میں سے کوئی ایک بھی ناقد و محدث اس موقف کا حامل نہیں ملے گا۔

اور متأخرین کی بات کریں تو رجال کی سب سے بڑی کتاب ”تہذیب الکمال“ کی اصل ”الکمال“ میں امام عبدالغنی المقدسی نے یہ صراحت کررکھی ہے کہ عبداللہ بن بریدہ نے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے۔ اس مسئلہ پر حوالوں کے ساتھ تفصیلی بحث قارئین آگے پڑھیں گے۔

اب آیئے ہم سب سے پہلے مرفوع حدیث اور اس کے طرق کو دیکھتے ہیں۔

مرفوع حدیث کو اماں عائشہ سے نقل کرنے والے ”عبداللہ بن بریدہ“ ہیں۔ اور پھر ان سے اس حدیث کو ان کے تین شاگردوں سے روایت کیا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

پہلے شاگرد: ابومسعود الجریری

روایت:

الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: أَرَأَيْتَ لَوَ عَلِمْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَا كُنْتُ أَدْعُو بِهِ؟ قَالَ:"تَقُولِينَ اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي"۔

"جریری نے عبداللہ بن بریدہ سے انہوں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو میں اس میں کیا دعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یوں کہو: "اَللّٰھُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي" (اے اللہ! بیشک تو معاف کرنے والا ہے، تو معافی کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے معاف فرمادے۔)"

تخریج

أخرجه أحمد في (25505) عن علي بن عاصم ۔

وأخرجه المروزي في "قيام الليل" (ص 259) واللفظ له من طريق خالد بن عبدالله الواسطي۔

وأخرجه النسائي في "السنن الكبري" (10645) من طريق عبدالرحمٰن بن مرزوق۔

وأخرجه النسائي في "السنن الكبريٰ" (10646) من طريق مخلد بن يزيد۔و ابن راهويه في "مسنده" (1362) من طريق العنقزي۔وابن منده في "التوحيد" (300) من طريق نعمان بن عبدالسلام۔والقضاعي في "مسند الشهاب" (1475) من طريق علي بن قادم ۔وقوام السنه في "الترغيب"(1799) من طريق الفريابي ۔و إسحاق الأزرق كما في "العلل" (88/15) للدارقطني كلهم (مخلد والعنقزي ونعمان والفريابي و إسحاق الأزرق) من طريق سفيان الثوري ۔

وخالفهم الأشجعي فرواه عن الثوري عن علقمة بن مرثد عن ابن بريدة عن عائشة به، أخرجه أحمد في "مسنده" (26215)۔ قال الدارقطني فى "العلل" (15/ 88) : "وقول الأزرق أصح" ۔

جميعهم (علي بن عاصم وخالد بن عبدالله وعبدالرحمٰن بن مرزوق والثوري)عن الجريري به۔

وخالفهم عبد الحميد بن واصل فرواه عن الجريري، عن أبي عثمان النهدي، قال: قالت

عائشة فذكر نحوه، أخرجه الطبراني في "الدعاء" (915) ، قال الدارقطني في "العلل" 5/ 132: "وهم فيه... والصحيح عن الجريري عن ابن بريدة"

وخالفهم جميعا يزيد بن هارون فرواه -فيما أخرجه أحمد في "مسنده" (25495)- عن الجريري من هذا الطريق فأوقفه على عائشة، وهو وهم منه بلا ريب لمخالفته رواية الجماعة۔

دوسرے شاگرد: کہمس بن حسن

روایت

"كَهْمَسِ بْنِ الحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ القَدْرِ مَا أَقُولُ فِيهَا؟ قَالَ: قُولِي:"اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي"۔

"کہمس بن حسن نے عبداللہ بن بریدہ سے انہوں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے تو میں اس میں کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: پڑھو:"اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي" (اے اللہ! بیشک تو معاف کرنے والا ہے، تو معافی کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے معاف فرما دے)۔"

تخریج

أخرجه الترمزي (3513) واللفظ له والنسائي في "السنن الكبرىٰ" (10642) من طريق جعفر بن سليمان الضبعي۔

وأخرجه النسائي في "السنن الكبرىٰ" (7665) و (11624) و (10643)من طريق خالد بن الحارث۔

وأخرجه ابن ماجه (3850) من طريق وكيع بن الجراح

وأخرجه ابن راهويه في "مسنده" (1361) من طريق النظر بن شميل

كلهم (جعفر بن سليمان و خالد بن الحارث و وكيع بن الجراح و النظر بن شميل) عن كهمس به.

وخالفهم علي بن غراب فيما ذكره الدارقطني في "العلل" (15/ 89) فرواه عن كهمس، عن عبد الله بن بريدة، عن أبيه، عن عائشة، فزاد في الإسناد والد عبد الله بن بريدة ۔ قال الدارقطني ووهم في قوله عن "أبيه" . قلت : ولا يوجد رواية علي بن غراب مسندا۔

وخالفهم غندر فيما أخرجه أحمد (25384) ويزيد بن هارون فيما أخرجه أحمد (25497) والمعتمر فيما أخرجه النسائي في "الكبرىٰ" (10644) فقالوا عن كهمس عن ابن بريدة قالت عائشة ... هكذا مرسلا، ولذلك قال النسائي بعد رواية المعتمر: "مرسل" ۔ والصواب رفعه كما رواه الجماعة و رواية الجريري المتقدمة في أول هذا التخريج تؤيدهم.

وخالفهم جميعا يزيد بن هارون فرواه موقوفا علي عائشه۔ أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه رقم (31150) وهو خطأ بلارب لمخالفته للجماعة۔ نعم ! الرواية الموقوفة ثابتة من طرق أخري كما سياتي البحث في موضعه۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

"کہمس بن حسن" کے چار شاگردوں (جعفر بن سلیمان، خالد بن الحارث، وکیع بن الجراح اور النظر بن شمیل) نے بالاتفاق اس حدیث کو "عن عائشة" کہہ کر بیان کیا یعنی اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ لیکن بعض راویوں نے "أن عائشة" کہہ کر یعنی اس حدیث کو مرسلاً بیان کیا ہے۔

مذکورہ تخریج میں واضح کیا گیا ہے کہ مرسلاً بیان کرنے والے راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور درست سند وہی ہے جس میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے بیان کیا ہے کیونکہ اکثر راویوں کا یہی بیان ہے۔

مرسل روایات میں ایک روایت کو جب امام نسائی نے نقل کیا تو آخر میں واضح کر دیا کہ یہ بیان مرسل ہے چنانچہ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا:

"أخبرنا محمد بن عبد الأعلى، قال: حدثنا المعتمر، قال: سمعت كهمسا، عن ابن بريدة "أن عائشة قالت: يا نبي الله" . مرسل". [سنن النسائي الكبرىٰ، ط التأصيل: 12/ 457 رقم 10820]

یہاں امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کی کیفیت کو بتلایا ہے کہ یہ روایت مرسل بیان کی گئی ہے۔

مگر امام نسائی رحمہ اللہ نے یہاں نہ تو مرسل روایت کو اس سلسلے کی دیگر مسند روایات پر ترجیح دی ہے اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن بریدہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سرے سے سنا ہی نہیں۔

لیکن سخت حیرت کی بات ہے کہ عصر حاضر کے بعض لوگوں نے امام نسائی رحمہ اللہ کی اس وضاحت کی بنا پر امام نسائی کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ وہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن بریدہ کے سماع کے قائل نہیں۔

ہم کہتے ہیں یہ بات سراسر غلط ہے اور عصر حاضر کے بعض لوگوں سے قبل پوری دنیا میں کسی نے بھی امام نسائی کے اس قول کا یہ مطلب نہیں سمجھا ہے۔

بلکہ امام نسائی کے اس کلام میں سماع کے انکار کا وجود تو درکنار وہ راوی کے اس مرسل بیان کو بھی ترجیح نہیں دے رہے ہیں بلکہ انہوں نے اس سلسلے کی اکثر روایات مسند ہی ذکر کی ہیں۔

تیسرے شاگرد: ابو ہلال راسبی

ابوبکر الشافعی البزَّاز (المتوفی 354) نے کہا:

حدثنا أبو محمد الحارث بن محمد بن أبي أسامة التميمي، ثنا أبو عبد الرحمٰن الأسود بن عامر ولقبه شاذان، ثنا أبو هلال يعني الراسبي، عن عبد الله بن بريدة قال: قالت أم المؤمنين: – قال أبو هلال أحسبه، قال عائشة – يا رسول الله إن وافقت ليلة القدر بما أدعو؟، قال: قولي: "اللهم إني أسألك العفو والعافية"

"اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے لیلۃ القدر (شب قدر) مل جائے تو میں کیا دعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوں کہو: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ"" (اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور عافیت مانگتی ہوں۔)"[الفوائد الشهير بالغيلانيات لأبي بكر الشافعي (رقم 610) وأخرجه الطبراني في الأوسط (رقم 2500) فقال: حدثنا أبو مسلم قال: نا أبو عمر الضرير قال: نا أبو هلال الراسبي به نحوه مختصرا، وأبو هلال الراسبي ضعيف كما فصلت الكلام عليه في كتابي"تحفة الزاهد في تكرار الجماعة في المسجد الواحد"]

یہ روایت ابو ہلال راسبی کے ضعیف ہونے کے سبب مردود و غیر مقبول ہے لیکن ماقبل میں مذکور "ابومسعود الجریری" اور "کہمس بن حسن" کی روایات صحیح ہیں۔

خلاصۂ تخریج:

اس حدیث کی تمام اسانید وطرق کو مفصل دیکھنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس کا مرفوع طریق ہی درست و محفوظ ہے اور عبداللہ بن بریدہ سے "ابومسعود الجریری" اور "کہمس بن حسن" کی روایات بالاتفاق ثابت وصحیح ہیں۔

لیکن اس کے اوپر کا طریق جو تمام سندوں کا اصل مدار ہے وہ یہ ہے:

{عن عبد الله بن بريدة عن عائشة مرفوعا}

اوراس کے متصل اور منقطع ہونے میں اختلاف ہے۔

اتصال وانقطاع پر بحث:

ہم سب سے پہلے قائلین انقطاع کے تمام دلائل کا جائزہ لیں گے اس کے بعد اتصال کے ثبوت میں متعدد دلائل پیش کریں گے۔ ہماری یہ بحث درج ذیل حصوں پر مشتمل ہوگی:

۞ امام دارقطنی کے کلام پر بحث

۞ واسطہ والی روایت پر بحث

۞ معاصرت وامکانِ سماع پر بحث

۞ اتصال وسماع کے دلائل کا ذکر

اب ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۞ امام دارقطنی کے کلام پر بحث:

اس سے پہلے کہ ہم امام دارقطنی کے کلام پر بحث کریں مناسب معلوم ہوتا کہ ارسال سے متعلق ایک اہم نکتہ کی وضاحت کردی جائے جس سے غفلت کی بنیاد پر بہت ساری غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔

ارسال کا ایک مطلب یہ ہے کہ راوی ایسے دور کا واقعہ بیان کرے جس دور میں وہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ مثلاً تابعی عہد رسالت کے واقعات کو بیان کرے۔

اسی طرح ارسال کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ راوی کا ایسے شخص کی کوئی بات نقل کرنا جس سے اس کی سرے سے ملاقات وسماع ممکن ہی نہیں ہے، جیسے کوئی راوی ایسے شخص کی بات نقل کرے جس کی زندگی میں وہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ مثلاً کوئی تابعی ایسے صحابی کی بات نقل کرے جس کی وفات اس تابعی کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکی ہے۔

لیکن غور کیجئے کہ کیا ایسا نہیں ہوسکتا ایک تابعی بلا واسطہ عہد رسالت میں کسی ایسے صحابی کے ساتھ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ بیان کرے، جس صحابی سے اس تابعی کی ملاقات وسماع ثابت ہو؟ یعنی تابعی کے دور تک وہ صحابی زندہ رہے ہوں جس بنا پر بعد میں وہ تابعی اپنے دور میں اس صحابی سے ملاقات کر لیے ہوں اور سماع بھی کر لیا ہو۔ کیا ایسا ممکن نہیں ہے؟؟؟

میرے خیال سے ہر عقل منداور صاحب علم شخص کا جواب ہوگا کہ بالکل ایسا ممکن ہے۔

ہر ارسال مطلقاً عدم سماع کو مستلزم نہیں۔

ماقبل میں ارسال کی جو آخری صورت بیان کی گئی ہے، اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ہر ارسال مطلقاً عدم سماع کو مستلزم نہیں ہوتا۔

مطلب یہ کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک تابعی بلا واسطہ عہد رسالت کا ایک واقعہ بیان کرے جس میں ایک صحابی اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین مکالمہ ہوا ہو۔ اور اس صحابی سے اس تابعی کی اپنے دور میں دوسرے مواقع پر ملاقات بھی ثابت ہو۔

ایسی صورت میں یہاں تابعی کی روایت مرسل تو ہوگی کیونکہ وہ بلا واسطہ جس مکالمہ کو بیان کر رہا ہے اس وقت وہ موجود تھا ہی نہیں، لیکن اس کے اس روایت کے مرسل ہونے سے یہ قطعاً لازم نہیں آئے گا کہ اس تابعی کی اس صحابی سے علی الاطلاق ملاقات وسماع ہی کا انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ دوسرے مواقع پر ان دونوں کی ملاقات وسماع ثابت ہے۔

"مرسل" کا "مرسل عنہ" سے سماع کی ایک مثال:

اب آیئے کتب حدیث سے مرسل حدیث کی ایک مثال سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں تا کہ بات اور واضح ہوجائے، چونکہ آگے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے جس کلام پر ہم بحث کریں گے وہ ایسی مرسل حدیث پر ہے جس میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ اس لیے ہم یہاں مثال میں بھی ایسی ہی ایک مرسل حدیث لیتے ہیں جس میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا ذکر ہے، ملاحظہ ہو:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی 275) نے کہا:

حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا الأسود بن شيبان، حدثنا أبو نوفل يعني ابن أبي عقرب،

قال: قالت عائشة: "يا رسول الله أين عبد الله بن جدعان، قال:"في النار"، قال: فاشتد عليها، قال:"يا عائشة، ما الذي اشتد عليك"، فقالت: كان يطعم الطعام ويصل الرحم، قال: أما إنه يهون عليه بما تقولين"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ''عبد اللہ بن جدعان کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جہنم میں ہے''۔ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہت گراں گزری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پر یہ بات اتنی گراں گزری''؟ انہوں نے عرض کیا: ''وہ لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا اور صلہ رحمی کرتا تھا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک، جو کچھ تم کہہ رہی ہو، اس کی وجہ سے اس پر (عذاب) ہلکا کر دیا جائے گا''۔[المراسيل لأبي داؤد ص: 143]

اس روایت کی سند "نوفل بن ابی عقرب" تک صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔لیکن آگے مرسل ہے کیونکہ "نوفل بن ابی عقرب" نے بلا واسطہ یعنی "عن عائشۃ" کے بجائے "قالت عائشۃ" کہہ کر اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایسی بات نقل کی جو عہد رسالت میں کہی گئی ہے، اور "نوفل بن ابی عقرب" تابعی ہیں یعنی عہد رسالت میں موجود نہیں تھے اس لیے یہ روایت مرسل ہے۔جیسا کہ امام ابوداؤد نے کہا ہے نیز امام ابن رجب رحمہ اللہ نے بھی اسی سبب اس روایت کو "مرسل" کہا ہے۔دیکھیں:[تفسير ابن رجب الحنبلي 2/ 535]

دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ "نوفل بن ابی عقرب" نے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس روایت کا کوئی بھی حصہ نہیں سنا ہے۔ بلکہ اس حدیث کو مرسل کہنے والے محدثین کا یہی مقصود ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ "نوفل بن ابی عقرب" کا اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے علی الاطلاق سماع ثابت ہی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے دیگر مقامات پر "نوفل بن ابی عقرب" اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے یعنی "عن عائشۃ" کہہ کر جو روایات بیان کرتے ہیں محدثین ان کو صحیح قرار دیتے ہیں اور وہاں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے سماع کا انکار نہیں کرتے ۔مثلاً دیکھیں :(سنن أبی داؤد 2/ 77 رقم الحديث 1482) یہ حدیث بالاتفاق صحیح ہے۔

جاری ہے........

(قسط:۴)

علامہ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کے محاضرات کا تحریری سلسلہ۔ محاضرہ نمبر (۳)

برصغیر میں علماء اہل حدیث کی خدمات

مرتب: ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی

مدارس اور مطابع کے بعد اب پرچوں یعنی جرائد پر بات کر لیتے ہیں، ان کی اشاعت کا بھی بندوبست انیسویں صدی سے لوگوں نے کیا، سب سے پہلا اور باقاعدہ پورے برصغیر کے پیمانہ پر پڑھا جانے والا جو رسالہ تھا وہ ''اشاعۃ السنۃ'' کے نام سے تھا، ۱۸۷۸ء میں مولانا حسین بٹالوی نے اسے شائع کرنا شروع کیا تھا(۱)، اور اس زمانہ میں مذہبی اعتبار سے انتہاء پر پہنچے ہوئے دو طرح کے لوگ تھے، یا تو شرک و بدعات میں مبتلا ہیں یا تو بالکل تجدد پسند حضرات، جن کو نیچری کہا جاتا تھا، جو سر سید احمد خاں اور ان کے ماننے والے تھے جو ہر چیز کو عقل پر پرکھتے تھے(۲) سب سے پہلے جس فتنہ کا انہوں نے انسداد کیا، وہ فتنہ تھا قادیانیت کا، مرزا غلام احمد قادیانی (۳)، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، شروع شروع میں اس نے کہا کہ میں اسلام کی تائید کر رہا ہوں، اس کے لیے دلائل مہیا کر رہا ہوں اور ''براہین احمدیہ'' لکھ رہا ہوں، لیکن جب بعد میں لوگوں پر کھلا کہ اس نے تو مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا، مجدد ہونے کا دعویٰ کر دیا، مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، بعد میں پھر نبی ہونے کا، تو لوگوں کے کان کھڑے ہوئے اور یہ انہیں کے علاقہ کے تھے، انہوں نے پہلے دن سے اس کو پکڑا، اپنے پرچہ اشاعۃ السنۃ میں اس پر کھل کر رد کیا اور ہر ہر شمارہ میں اس پر رد کیا، شاید معاصرین میں کسی نے بھی اتنا اس پر رد نہ کیا ہو، خاص طور پر ۱۸۹۱ء کے اندر جس میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، پھر اسی پر اکتفاء نہیں کیا، قادیانیوں کے خلاف سب سے پہلا غیر مسلم ہونے کا فتویٰ جس نے دیا وہ فتویٰ مولانا محمد حسین بٹالوی کے ذریعہ عمل میں آیا، انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ صرف علماء اہل حدیث سے فتویٰ لیا ہو بلکہ پورے برصغیر کے سارے مسالک کے علماء سے فتویٰ لیا، کیونکہ اس مسئلہ میں (ختم نبوت) سب متفق ہیں، پہلی بار قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے لیے انہوں نے فتویٰ جمع کیا، مرزا غلام احمد قادیانی پریشان تھا اور سب کو لکھتا تھا کہ بٹالوی سب کو گمراہ کر رہا ہے، یہ مرزا اپنے متبعین کو کہتا تھا کہ وہ صحابی ہیں، اپنی بیوی کو کہتا تھا کہ امہات المؤمنین ہیں، قادیان سے اس کا ایک پرچہ نکلتا تھا، اس میں جو بھی شائع ہوتا تھا فوراً اس پر نوٹس لیتے تھے، دوسرے نمبر پر جس نے قادنیت پر کھل کر کے لکھا اور مناظرے کئے، تیس سے زیادہ کتابیں لکھیں، بلکہ مستقل ایک پرچہ ''مسلمان'' کے نام سے نکالا اور ''مرقع

قادیان'' (۴) وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ (۱۹۴۸ء) تھے،لیکن انہوں نے پرچہ اہل حدیث کے نام سے ۱۹۰۳ء میں شروع کیا تھا،۱۹۰۳ء سے لےکر کے ۱۹۰۸ء تک یعنی مرزا کے مرنے تک اس کا تعاقب کیا،''ثناء اللہ امرتسری نے خوب اچھے سے اس کا تعاقب کیا،مرزا نے ایک بار کہا کہ ''ہم میں سے جو جھوٹا ہے سچے کی زندگی میں وہ مرجائے''،اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ مرگیا،مولانا ثناء اللہ اس کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے،دراصل قادیانیوں کو انگریزوں نے کھڑا کیا تھا تاکہ مزید تفرقہ ان کے مابین پیدا ہو،اس کے علاوہ انگریزوں نے عیسائی اور دیگر لوگوں کے ذریعہ طرح طرح کے فتنہ پھیلائے تھے،اس زمانہ میں جو پادری ہوتے تھے،نام ان کا مسلمانوں جیسا ہوتا تھا،پادری عبدالحق،پادری برکت اللہ،مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے ان کی بھی نوٹس لیا،اوراس بات کی شہادت مولانا سید سلیمان ندوی نے معارف کے اندر دی ہے،جب مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ۱۹۴۸ء میں انتقال ہوا (۵) تو ان کی وفات پر جولکھا ہے،کہ زندگی میں جہاں جس جگہ کسی فتنہ کے ابھرنے کی اطلاع ملتی تھی،مولانا اس کا جواب دینے کے لیے تیار رہتے تھے،بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ اگر ابھی شام میں کوئی فتنہ پیدا ہوا تو صبح تک مولانا اس کا جواب دینے کے لیے تیار ہیں،(٦) یہ تو ایک پہلو ہے اس کے علاوہ بھی اور میدان ہیں دفاع اسلام کے تعلق سے جس میں علماء اہل حدیث نے بڑے بڑے کارنامے انجام دئے،ایک میدان اور ہے عربی ادب اوراسلامی صحافت کا،اس میں جو چند بڑے بڑے اور چوٹی کے علماء تھے جن کی حیثیت عرب دنیا میں اور عربی ادب کے محققین کے نزدیک اتھارٹی کی تھی اس میں تین آدمی اوراس کی بھی شہادت ایک دیوبندی عالم نے دی ہے،مولانا انورشاہ کشمیری،مولانا سعید احمد اکبرآبادی،مولانا شمس الحق صاحب نے مجھے بتایا ہے،پورے برصغیر کے پیمانہ پر تین عربی کے ادیب اور محقق ہیں، اور تینوں ہی وہابی ہیں،علامہ عبدالعزیز میمن،مولانا محمد یوسف سورتی،ازہار العرب انہیں کا تیار کیا ہوا ہے،تیسرے مولانا عبدالمجید حریری (۷) یہ عربوں کے لہجوں میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

یاد رکھیں جو کتابیں ہیں ان کا مطالعہ ضرور کیجئے مثلاً ایک کتاب علامہ احسان الٰہی ظہیر نے ''البریلویہ'' کے نام سے لکھی ہے،میری ان سے ملاقات ہے،وہ کہتے تھے کہ میں نے بہت سے فرقوں تقریباً بارہ فرقوں پر کتابیں لکھیں ہیں،انہوں نے شیعوں کے رد پر چھ کتابیں لکھیں (۸)،ان کا طریقہ یہ تھا وہ بتاتے تھے کہ جب جس فرقہ پر کتاب لکھنی ہوتی اس فرقہ کی اصل کتابیں حاصل کرلیتا،اس سے اقتباسات جمع کرتا جیسے:''البریلویہ'' میں انہوں نے ان کی ساری چیزیں ان کی کتابوں سے جمع کر کے رکھ دیا ہے اور ایک طرح سے انہیں آئینہ دکھا دیا

ہے،اب وہ پریشان ہیں۔

حواشی: آفاق احمد السنابلی المدنی

(۱)مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ میاں صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں،ان سے انہوں نے کتب ستہ،مؤطا اور مشکاۃ وغیرہ پڑھی،اکابر علماء اہل حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے،یہ وہ شخصیت ہے جنہوں نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا براہِ راست مقابلہ کیا،اس کے ساتھ مناظرہ کیا اور انہوں نے ''اشاعۃ السنۃ'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ نکالا تھا جس کا موضوع ہی ''مرزا قادیانی کی تردید اور عیسائیوں کے الزامات کا جواب ہوا کرتا تھا، ایک طریقہ سے جماعت اہلحدیث کا سب سے پہلا رسالہ یہی ہے،سب سے پہلے میاں صاحب سے قادیانیت کے خلاف انہوں نے ہی فتویٰ لکھوایا تھا،زندگی کی آخری سانس تک یعنی تقریباً ۲۸ سال تک قادیانیت سے برسرپیکار رہے۔ایک درجن سے زائد انہوں نے کتابیں لکھی ہیں،اہلحدیث جماعت کو لفظ''وہابی'' سے موسوم کیا جاتا تھا۔مولانا بٹالوی نے سرکاری کاغذات سے لفظ وہابی ختم کرا کر اہلحدیث کا لفظ لکھوایا۔

(۲)برصغیر میں عقلانیت یا فتنہ نیچریت کی داغ بیل ڈالنے اور اسے ہوا دینے میں کلیدی رول جن کا رہا ہے یا یوں کہہ لیں کہ جو سرفہرست رہے ہیں،ان میں سے سرسید احمد خاں بھی تھے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے یہ بانی ہیں،عقیدہ سے متعلق کئی ایک خرابیاں ان کے یہاں موجود تھیں۔فرصت میں کبھی ان کے عقائد ونظریات اور دیگر پہلوؤں پر کچھ قلم بند کرنے کی کوشش کروں گا۔

(۳)قادیانیت ایک گمراہ فرقہ ہے،انگریزوں کے دور میں انہیں کی کوششوں سے یہ فرقہ وجود میں آیا،اس فرقہ کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے،اس نے کئی ایک جھوٹے دعوے کئے جیسے نبوت،مسیح موعود کا،یہ فرقہ مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنا نبی مانتا ہے،فتنہ قادیانیت کو ختم کرنے میں دیگر جماعتوں کے علاوہ جماعت اہل حدیث کے کارنامے بڑے مثالی اور تاریخی رہے ہیں،قادیانیت سے مقابلہ کرنے میں دیکھیں گے تو اکثر میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے ہی شاگرد رہے ہیں،تن تنہا علامہ ثناء اللہ امرتسری نے ۲۰ سے زائد کتابیں قادیانیت کے رد میں لکھی ہیں۔پوری جماعت اہل حدیث کی طرف سے تقریباً دوسو کتابیں لکھی گئیں۔بعد کے ادوار میں ایک کتاب اور لکھی گئی اس کا نام ہے ''القاديانية دراسات وتحليل'' المؤلف: احسان الٰهي ظهير۔یہ کتاب بھی قادیانیت کے باطل عقائد پر کاری ضرب ہے۔

(۴) ماہنامہ مرقع قادیانی: اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب قادیانی نے جب اپنے اور مولانا امرتسری کے درمیان آخری فیصلہ والا اشتہار شائع کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کاذب صادق کی زندگی ہی میں مرجائے گا۔تو مولانا امرتسری کا جوش جہاد اور بڑھ گیا۔اور آپ نے خاص قادیانیت کی تردید کے لیے جون ۱۹۰۷ء سے ''مرقع قادیانی'' نام کا ایک مستقل ماہنامہ رسالہ شائع کرنا کر دیا۔ خدائی فیصلے کے مطابق سال بھر بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو جب مرزا صاحب (کاذب) مولانا امرتسری کے (صادق) کے جیتے جی وفات پا گئے تو اس رسالے کی چنداں حاجت نہ رہی۔اس لیے اکتوبر ۱۹۰۸ء تک کے شمارے شائع کرنے کے بعد اس کی اشاعت بند کر دی گئی۔ ۲۲۔ ۲۳ برس بعد جب قادیانیوں میں پھر تیزی آئی تو مولانا امرتسری نے اپریل ۱۹۳۱ء سے مرقع قادیانی کی اشاعت دوبارہ شروع کر دی۔لیکن اپریل ۱۹۳۳ء کا شمارہ شائع کر کے اس ماہانہ کی اشاعت پھر بند کر دی۔ کیونکہ قادیان سے شائع ہونے والے کی تردید کے لیے اہلحدیث کے صفحات کافی تھے۔(فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری: مؤلف: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ: ۷۰۔۷۱)

(۵) علامہ ثناء اللہ رحمہ اللہ کی خدمات کا دائرہ کئی سمتوں میں پھیلا ہوا ہے، ان کی زندگی کے کئی پہلو جو اس مقالہ ''حیات ثنائی کے چند اہم گوشے اور تاریخ اسلامیان ہند سے متعلق چند ''داغ ہائے سینہ'' (مجموعہ مقالات: ج:۲،ص:۲۵۷) میں بڑے واضح انداز میں بیاں کئے گئے ہیں۔علامہ ثناء اللہ امرتسری کی خدمات پر کئی مقالات اور کتابیں بھی لکھی گئیں ہیں۔

ان کی تفسیری خدمات پر ایک مفصل مضمون علامہ عزیر شمس رحمہ اللہ کا بھی ہے جو ان کے مجموعہ مقالات میں درج ہے۔ جہاں تک کتابوں کا مسئلہ ہے تو کچھ کتابوں کے نام جو عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں، یہاں درج کر رہا ہوں تا کہ ان کی سیرت پر لکھنے اور پڑھنے والوں کے لیے آسانی ہو۔ رئیس المناظرین شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری۔مصنف: فضل الرحمٰن بن محمد۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری حیات خدمات آثار،مصنف: محمد رمضان یوسف سلفی۔ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، مؤلف: فضل رحمان میاں محمد۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری علمی و تصنیفی خدمات، مؤلف: عبدالرشید عراقی۔ فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، مصنف: صفی الرحمٰن مبارکپوری۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ علیہ کے ساتھ مرزا جی کا آخری فیصلہ، مصنف: محمد داؤد ارشد۔

عربی میں کچھ کتابیں: الشيخ أبو الوفاء الأمرتسري وجهوده في مقاومة الأديان والفرق الضالة،

عبد اللطيف شيخ عبد الرشيد شيخ، رسالة ماجستير من الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة 1415هـ. الشيخ ثناء الله الأمرتسري وجهوده الدعوية، محمد مرتضى بن عائش محمد، رسالة ماجستير من جامعة الإمام محمد بن سعود 1417هـ الشيخ العلامة أبو الوفاء ثناء الله الأمرتسري: جهوده الدعوية وآثاره العلمية،عبد المبين عبد الخالق الندوي، إدارة البحوث الإسلامية بالجامعة السلفية بنارس،1437هـ العلامة الشيخ أبو الوفاء ثناء الله الأمرتسري وجهوده في الرد على الفرق الضالة وإنهاض ثقافة الحوار الحضاري، د. مقتدى الأزهري، تقديم وترتيب راشد حسن المباركفوري، دار المقتبس۔

(۶) دیکھیں: مرزائے قادیان اور علماء اہل حدیث۔مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی: ج،۳ص ۳۸)۔

(۷) ہندوستان کے دیوبندی مسلک کے معروف عالم ومصنف مولانا سعید احمد اکبرآبادی کہا کرتے تھے کہ ہندوستان میں ایک ہی زمانے میں عربی کے تین ادیب ہوئے ہیں اور تینوں وہابی۔وہ تھے مولانا عبدالعزیز میمنی، مولانا محمد سورتی اور مولانا عبدالمجید حریری۔(تاریخ وتعارف مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی،مؤلف اسعد اعظمی حفظہ اللہ، ص:۱۸)۔

اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کہتے ہیں:''ان تینوں عظیم المنزلت حضرات کے تراجم میں نے اپنی ایک کتاب ''برصغیر میں اہلِ حدیث کی اوّلیات''میں بیان کیے ہیں''۔

عبدالمجید حریر پر رحمہ اللہ پر ایک مضمون علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے، جو: مجموعہ مقالات عبدالحمید رحمانی ج:۲،ص:۶۳)۔میں موجود ہے۔

ان تینوں نامور ادباء پر مستقل کتابیں اور تحقیقی مقالات بھی موجود ہیں۔

(۸) 1-الشيعة و القرآن۔ 2- الشيعة وأهل البيت۔ 3- كتاب الإسماعيلية تاريخ وعقائد۔ 4۔ الشيعة والتشيع فرق وتاريخ۔ 5 الشيعة والسنة۔ 6- كتاب الرد الكافي على مغالطات الدكتور وافي في كتابه بين الشيعة وأهل السنة۔

جاری.........

❁❁❁

جاوید اختر کا سوال: جذبات عقل اور حقیقت

حسان عبدالغفار

ملحد جاوید اختر کا اللہ کے عدم وجود پر ایک شبہ سامنے آیا کہ ’’تم کہتے ہو کہ اللہ جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے اس کے حکم کے بغیر ایک پتہ نہیں ہلتا، تو پھر یہ بتاؤ کہ اس کے ہوتے ہوئے دنیا میں غربت، فقیری، بدکاری، قتل و غارت اور لوٹ مار کیوں ہے؟

اگر واقعی اللہ ہوگا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس سے سوال کروں گا کہ تیرے ہوتے ہوئے یہ سب کیوں ہوا؟

قارئین کرام! الفاظ کی گھن گرج اور لہجے کی تلخی کبھی دلیل نہیں بنتی، کیونکہ جب اس اعتراض کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ احتجاج نہیں بلکہ فکری لغزش ثابت ہوتا ہے، اصل مغالطہ یہ ہے کہ ملحد اللہ کی مشیت یعنی کائنات کا نظام قائم رکھنا، مہلت دینا اور آزمائش برپا کرنا اور انسان کے اختیار یعنی ارادہ، انتخاب اور عمل کی ذمہ داری کو ایک ہی خانے میں رکھ کر خلط ملط کر دیتا ہے، حالانکہ ظلم کا ظہور اللہ کے حکم جبر کا نتیجہ نہیں بلکہ انسان کے غلط انتخاب کا ثمر ہے اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جسے نظر انداز کر کے یہ اعتراض بظاہر گہرا مگر حقیقت میں کمزور دکھائی دیتا ہے۔

قرآن یہاں نہایت واضح بات کرتا ہے: ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [البلد: ۱۰]

’’اور ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے‘‘۔

اور کہتا ہے: ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ [الدھر: ۳]

’’بلاشبہ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، اب چاہے تو وہ شکر کرنے والا بنے اور چاہے تو ناشکرا بنے‘‘۔

یعنی بندے کو اختیار دیا گیا ہے اس پر جبر نہیں کیا گیا، کیونکہ اگر انسان مجبور ہوتا تو ہدایت، انکار، جزا اور سزا سب لغو ہو جاتے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن اللہ سے ظلم کی نفی کرتے ہوئے صاف کہتا ہے: ﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ﴾ [آل عمران: ۱۰۸]

اور مزید واضح کرتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ [یونس: ۴۴]

یعنی دنیا میں جو قتل، فقر، بدکاری اور فساد ہے، وہ اللہ کے ہونے کے خلاف دلیل نہیں بلکہ انسان کے غلط اختیار کا نتیجہ ہے۔

اسی کو قرآن کچھ یوں بیان کرتا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾. [الروم: ۴۱]

’’خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا، لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے‘‘۔

قرآن یہاں ایک نہایت بنیادی مگر فیصلہ کن عقلی نکتہ سمجھاتا ہے کہ سبب اور نتیجے کو خلط ملط نہ کیا جائے، اللہ نے اس دنیا کو اسباب کے نظام پر قائم کیا ہے، جہاں آگ میں جلانے کی تاثیر رکھی گئی ہے، مگر جلنے کا الزام آگ پیدا کرنے والے پر نہیں بلکہ اس شخص پر آتا ہے جو جان بوجھ کر آگ میں ہاتھ ڈالے، اسی طرح اللہ نے انسان کو اختیار دیا، طاقت دی اور عمل کی آزادی بخشی، مگر ظلم، قتل اور فساد کا حکم نہیں دیا، لہٰذا جب انسان اپنے اختیار سے برائی کا راستہ چنتا ہے تو اس کے نتائج کی ذمہ داری اللہ پر ڈالنا عقل کے خلاف ہے، کیونکہ قصور نظام کا نہیں بلکہ غلط انتخاب کرنے والے کا ہوتا ہے۔

اب یہ اعتراض کہ: ''اگر اللہ ہے تو فوراً ظلم کیوں نہیں روکتا''؟

قرآن اس کا جواب نہایت گہری عقلی حکمت کے ساتھ دیتا ہے: ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ﴾ [النحل: ٦١]

''اگر اللہ ہر ظلم پر فوراً پکڑ لے تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ بچے''۔

یہ تاخیر کمزوری نہیں بلکہ مہلت امتحان ہے۔

اسی لیے قرآن دنیا کی نوعیت ہی واضح کر دیتا ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ﴾ [الملک: ٢]

''اس نے زندگی اور موت کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہاری آزمائش کرے''۔

یہ دنیا عدل گاہ نہیں، امتحان گاہ ہے، عدل کامل کے لیے ایک اور دن مقرر ہے۔ اگر دنیا میں ظلم نہ ہو، فقر نہ ہو، آزمائش نہ ہو تو امتحان کیسا؟

اسی طرح جو شخص کہتا ہے: ''میں اللہ سے سوال کروں گا تو قرآن اس ذہنیت کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے''۔: ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ [الأنبياء: ٢٣]

خالق سے باز پرس نہیں، بلکہ مخلوق سے ہوتی ہے۔

یہ عقلی اصول ہے: اختیار لینے والا جواب دہ ہوتا ہے، اختیار دینے والا نہیں۔

اگر واقعی کوئی خدا نہ ہو، جیسا کہ ملحد دعویٰ کرتا ہے، تو پھر قرآن ایک اور عقلی سوال اٹھاتا ہے: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ [الطور: ٣٥]

''کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گئے؟ یا خود اپنے خالق ہیں''؟

یہ آیت آج بھی الحاد کے سینے میں ایسے پیوست ہے جیسے منطق کا تیر، خاموش مگر مہلک۔

اس لیے کہ یہ کسی عقیدے کو مسلط نہیں کرتی، بلکہ انسان کے وجود کو خود انسان کے سامنے رکھ کر عقل سے فیصلہ کرواتی

ہے۔ وجود انسانی کے بارے میں عقل کے پاس صرف تین ہی ممکنہ راستے ہیں، نہ اس سے کم، نہ اس سے زیادہ۔ کوئی چوتھا دروازہ سرے سے موجود ہی نہیں۔

پہلا امکان:

کیا انسان کسی خالق کے بغیر، محض خود کے سہارے وجود میں آ گیا؟

یہ بات مان لینا دراصل عقل کے گلے پر چھری پھیرنے کے مترادف ہے۔ عدم سے وجود کا پھوٹ پڑنا نہ سائنس تسلیم کرتی ہے، نہ فلسفہ، نہ ہی سادہ انسانی فہم۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے کہ ''کچھ بھی بغیر سبب کے ہو سکتا ہے'' تو پھر کائنات کے تمام قوانین، علت و معلول کی پوری عمارت اور علم کی ساری بنیادیں ایک لمحے میں زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ ایسی عقل نہ سوال اٹھانے کے قابل رہتی ہے، نہ کسی جواب پر یقین رکھنے کے لائق۔

دوسرا امکان:

کیا انسان نے خود کو خود پیدا کیا؟

یہ دعویٰ محض غلط نہیں، بلکہ منطقی طور پر مضحکہ خیز ہے۔ جو ابھی تھا ہی نہیں، وہ خالق کیسے بن سکتا ہے؟ عدم نہ ارادہ رکھتا ہے، نہ قدرت، نہ شعور۔ خود کو پیدا کرنے کے لیے پہلے موجود ہونا لازم ہے اور ایک ہی وقت میں موجود بھی ہونا اور غیر موجود بھی۔ یہ صریح تضاد ہے۔ اسی تضاد کی وجہ سے یہ امکان اپنے ہی بوجھ تلے دب کر فنا ہو جاتا ہے۔

تیسرا اور واحد معقول امکان:

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان نہ خود بخود وجود میں آیا، نہ اس نے خود کو پیدا کیا، تو عقل خود بخود اس نتیجے تک پہنچتی ہے کہ انسان کو کسی نے پیدا کیا ہے، ایسی ہستی نے جو خود مخلوق نہیں، جو قدرت رکھتی ہے، جو جانتی ہے، اور جو ارادہ کرتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں ملحد کی زبان خاموش ہو جاتی ہے، کیونکہ یہاں اس سے کسی مذہبی کتاب پر ایمان لانے کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا، بلکہ اس کی اپنی عقل سے پوچھا جا رہا ہے کہ وہ اپنے وجود کی کیا توجیہ پیش کرتی ہے۔ اور جب عقل دیانت دار ہو تو اس آیت کے سامنے اس کے پاس خاموشی کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

آخر میں قرآن فیصلہ کن بات کہتا ہے، جو اس پورے اعتراض کو سمیٹ دیتی ہے: ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا﴾ [المؤمنون: ۱۱۵]

''کیا تم نے گمان کر لیا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا''؟

دنیا میں ظلم کا ہونا اللہ کے نہ ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ اس بات کی سب سے مضبوط دلیل ہے کہ ایک دن ایسا ضرور

آئے گا جہاں ہر مظلوم کو اس کا حق اور ہر ظالم کو اس کا انجام ملے گا۔

اسی لیے قرآن نے کہا:﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾[الفجر:۱۴]

’’تمہارا رب گھات میں ہے‘‘۔

چنانچہ جاوید جیسے لوگوں کا یہ باطل شبہ کہ اس کے حکم کے بغیر پتہ نہیں ہلتا کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قاتل کو قتل کا، ڈاکو کو ڈاکہ ڈالنے کا اور زانی کو زنا کا حکم دیا گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ:

اللہ نے انسان کو اختیار دیا ہے۔

وہ اختیار اللہ کی مشیت کے دائرے میں ہے لیکن فعل کا انتخاب انسان خود کرتا ہے، کیونکہ اگر اختیار نہ ہوتا تو سزا بے معنیٰ، جزا ظلم اور جنت وجہنم مذاق بن کر رہ جاتا۔

اگر ہر حرکت کا مطلب یہ ہو کہ اللہ نے انسان کو مجبور کیا ہے تو پھر اختیار، ذمہ داری، قانون، جرم، سزا سب بے معنیٰ ہو جاتے ہیں۔ اگر قاتل قتل پر مجبور تھا تو جیلیں ظلم ہیں، عدالتیں دھوکہ ہیں اور جاوید اختر جیسوں کا خود ’’ظلم‘‘ پر غصہ کرنا بھی فضول ہے، کیونکہ مجبور مخلوق پر اخلاقی اعتراض عقل کے خلاف ہے۔

اس بات کو یوں سمجھیں کہ اختیار کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے پاس چننے کی آزادی ہو۔ جب چننے کی آزادی ہوتی ہے تو اس میں یہ امکان لازماً شامل ہوتا ہے کہ انسان صحیح بھی چن سکتا ہے اور غلط بھی۔ اگر غلطی کا امکان ہی ختم کر دیا جائے تو درحقیقت اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے جہاں اختیار ہوگا وہاں برائی کا امکان بھی ہوگا، اور یہ کوئی نقص نہیں بلکہ اختیار کی فطری قیمت ہے۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ آزاد مخلوق کو آزاد کیوں بنایا گیا؟ اور اس کا جواب صرف یہی ہے: کیونکہ اخلاق، امتحان اور معنیٰ صرف آزادی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔

اگر دنیا میں ظلم کا ہونا اللہ کے نہ ہونے کی دلیل ہے تو پھر یہی منطق یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ جرائم کا پایا جانا قانون کے وجود کی نفی ہو اور ہسپتالوں میں مریضوں کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہو کہ صحت اور طب محض ایک فریب ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، جرم قانون کی عدم موجودگی نہیں بلکہ اس کی خلاف ورزی کا اعلان ہوتا ہے اور بیماری صحت کے تصور کو جھٹلاتی نہیں بلکہ اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے، پھر اس سے بھی گہرا اور فیصلہ کن سوال یہ ہے کہ ملحد آخر کس بنیاد پر ظلم کو ظلم کہتا ہے؟ اگر کوئی خدا نہیں، کوئی آخرت نہیں، کوئی جواب دہی نہیں، تو پھر طاقتور کا کمزور کو کچلنا محض ایک حیاتیاتی حقیقت رہ جاتی ہے، جنگ بقا اصول بن جاتی ہے اور قتل ایک فطری حکمت عملی۔ ایسی دنیا میں ’’یہ

غلط ہے'' کہنے کا کوئی عقلی یا اخلاقی جواز باقی نہیں رہتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ ملحد زبان سے اللہ کا انکار کرتا ہے لیکن اخلاقی غصے کے ذریعے لاشعوری طور پر ایک آفاقی اخلاقی قانون کو مان لیتا ہے اور اخلاقی قانون ہمیشہ کسی قانون دینے والے کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے اگر واقعی کوئی رب نہ ہو اور کوئی آخرت نہ ہو تو نہ ہٹلر غلط ٹھہرتا ہے، نہ فرعون ظالم، نہ اسرائیل مجرم، بلکہ طاقت ہی حق بن جاتی ہے۔ لیکن جب جاوید اختر خود ان سب کو غلط کہتا ہے تو دراصل وہ اپنے انکار کے باوجود ایک ایسے اخلاقی خدا کو مان چکا ہوتا ہے جس کے بغیر اس کا احتجاج، اس کا غصہ اور اس کی ''یہ غلط ہے'' محض ایک بے معنیٰ چیخ بن کر رہ جاتی ہے۔

چونکہ جاوید اختر سنیما کی زبان بہتر سمجھتے ہیں، اس لیے بات بھی اسی اسلوب میں پوری طرح واضح ہے: فرض کیجیے ایک فلم چل رہی ہے جس کا اسکرپٹ مکمل ہے، ہیرو بھی موجود ہے اور ولن بھی، مظلوم کے آنسو بھی ہیں اور ظالم کی وقتی کامیابی بھی، اب اگر کوئی اداکار شوٹنگ کے بیچ کھڑا ہو کر اعتراض کرے کہ ''اگر ڈائریکٹر ہے تو فلم میں ظلم کیوں ہے اور اگر وہ طاقتور ہے تو ولن کو ابھی کیوں نہیں روکتا''؟ تو ہر صاحبِ فہم یہی کہے گا کہ فلم ابھی اپنے انجام تک نہیں پہنچی، انصاف آخری سین میں ہوتا ہے، درمیان میں نہیں، بالکل یہی حقیقت دنیا کا معاملہ ہے۔ دنیا فلم نہیں مگر ایک بامقصد اسکرپٹ ضرور ہے، جہاں کرداروں کو اختیار دیا گیا تاکہ وہ خود فیصلہ کریں کہ ہیرو بننا ہے یا ولن، کیونکہ اگر ہر ظالم کو پہلے ہی منظر میں پکڑ لیا جائے تو نہ آزمائش باقی رہے نہ کہانی، اسی لیے یہ کہنا ایک واضح تضاد ہے کہ فلم میں تاخیر فن ہے اور زندگی میں تاخیر خدا کے انکار کی دلیل، قرآن اسی حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے: ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا﴾[المؤمنون:۱۱۵]

''کیا تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ہم نے تمہیں محض بے مقصد پیدا کیا ہے''؟

اور یہ بھی واضح کرتا ہے کہ یہ مہلت غفلت نہیں بلکہ امتحان ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ﴾[ابراهیم:۴۲]

''اور ہرگز یہ نہ سمجھو کہ اللہ ان کاموں سے بے خبر ہے جو ظالم کرتے ہیں''۔

پھر انجام کا اعلان نہایت قطعی الفاظ میں کر دیتا ہے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾[الانبياء:۴۷]

''اور ہم قیامت کے دن عدل کے ترازو قائم کریں گے پھر کسی جان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

یعنی دنیا ابھی چلتی ہوئی کہانی ہے اور وہ آخری سین، جہاں ہر کردار اپنی اداکاری کا حساب دے گا، لازماً آ کر رہے گا۔

ڈر ہے چبا نہ جائیں کلیجہ نکال کر!

اسامہ عبدالقادر النہدی، (مدرس: جامعہ اسلامیہ نور باغ، کوسہ)

بسا اوقات جھوٹ صداقت کا چولا اوڑھے ایسا رقص کرتا ہے کہ ناظرین جامِ فریبی میں ایسے مدہوش ہوتے ہیں کہ رقص کرتے زہر کو جامِ دلنواز سمجھ کر جام پہ جام پیتے جاتے ہیں۔ ایسی مدہوشی کے دلدل میں دھنستے ہیں کہ انہیں کیچڑ سے تسنیم و کوثر کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ جھوٹ کی ایسی منافقت جو دَرکِ اَسفل کی راہ ہموار کرے۔ ایسا فریب جو دلِ مومن کو داغ دار کرے۔ ایسا رقص جو عقل کو محوِ تماشائے لبِ بام کرے۔ جھوٹ کی ایسی دغا کہ روح بھی پرواز کر جائے۔ ایسا ستم کہ پھر مَشقِ ستم کوئی نہ ہو۔ ایسی اُلجھن جو اُلجھنوں کو بھی حیرت میں ڈال دیتی ہو۔ ہائے! جو جھوٹ کو جھوٹ میں بے انتہا کمال بخش دیتی ہو۔

محترم قارئین! جب جھوٹ صداقت کا لبادہ اوڑھ لے تو اسے تسلیم کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہو جاتا ہے۔ اہلِ دانش کی دانشمندی بھی صداقت کا لبادہ اوڑھے جھوٹ کو جھوٹ تسلیم کرنے سے بسا اوقات قاصر ہو جایا کرتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جھوٹ کو اوجِ کمال اس وقت حاصل ہو جایا کرتا ہے جب شہرت کا آسمان اسے حاصل ہو جائے۔ بسا اوقات افواہوں کے آسمان پر جب شہرت کی شفق پھوٹ جائے تو افواہیں، افواہ نہیں رہ جاتیں بلکہ ایک دلفریب اور حسین سچ بن جاتی ہیں، جن کا انکار کرنا اس منظر کے دیکھنے والے کے لیے مشکل ہی نہیں، ناممکن ہو جاتا ہے۔ گویا افواہ پر لپٹی صداقت کی قمیص پر جب شہرت کی صَدری چڑھتی ہے تو اس کا انکار گویا اپنے وجود کا انکار بن جاتا ہے۔

زیرِ مضمون ایک ایسے ہی واقعے کی جانب اشارہ ہے جسے روافض کے ہاتھوں اتنا اُچھالا گیا، اتنا اُچھالا گیا کہ اس جھوٹ نے سچائی کی زرہیں اوڑھ لیں اور میدانِ تاریخ میں عورت پر تلوار چلانے اور عورت سے جنگ کرنے کا بزدلانہ منصوبہ بنالیا۔ خیر، عورتوں کے پیچھے چھپنے والوں سے اس سے زیادہ توقع کی بھی نہیں کی جاسکتی۔ محبتِ اہلِ بیت کے جھوٹے دعویداران کے تہمتوں کے نرغے میں جو ذات سب سے زیادہ گھیری گئی، وہ سیّدنا خالُ المؤمنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے فرزند یزید بن معاویہ کی ہی رہی۔ لاکھ سبّ وشتم کا نشانہ بنایا گیا۔ زبانیں تلواروں سے زیادہ تیز چلائی گئیں، اور یہ اہلِ تقیہ اپنے باپ کے نہیں ہوتے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد کو کہاں چھوڑ سکتے تھے؟ اپنی ماؤں کے سروں سے ماتم کے نام پر دوپٹا ہٹانے والے خالُ المؤمنین کی والدہ کو کہاں بخشتے؟ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے نام پر افواہوں اور جھوٹ کا ایسا ریلا برپا کیا کہ اگر کوئی چاہ بھی لے تو اسے سمیٹ نہیں سکتا تھا۔ اپنے تقیہ اور جھوٹ کا سہارا لے کر ایک ایسے واقعے کو تشکیل دیا جسے سن کر اہلِ ایمان کا ایمان بھی متزلزل ہو جائے۔ ''محبِّ معاویہ'' بھی ''بغضِ معاویہ'' کا نعرہ لگا کر خود کو جہنم کے ایندھن میں دھکیل دے۔ ایسے شبہات جو ایک بار دماغ میں گھس جائیں تو جذبات

کی نَسوں سے گزر کر دل کو چھلنی کر دیں۔مگر دستورِ الٰہی کہاں بدلا ہے؟ جھوٹ کے بادل کتنے ہی کالے کیوں نہ ہوں، یقین کا سورج انہیں ختم کر ہی دیتا ہے۔ظلمت کی شعاعیں کتنی ہی مضر کیوں نہ ہوں،نور کی سحر ان آتشی شعاعوں کو زائل ضرور کرتی ہے۔انہی ظلم کے افسانوں میں ایک افسانہ ہند بنتِ عتبہ رضی اللہ عنہا کا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سینہ چاک کرنا، کلیجہ نکالنا اور اسے چبانا ہے۔اہلِ تقیہ نے زور لگا کر اس سیاہی کو سفیدی میں بدلنے کی بھرپور کوشش کی اور ایک حد تک وہ اس میں کامیاب بھی رہے،مگر سیاہی سرِ وَرق کب تک سفیدی چھپا سکتی تھی؟ ایک نہ ایک دن آنا تھا،سفیدی کو پھر اُبھرنا تھا، سیاہی کو زائل ہونا تھا۔لہٰذا اس سفیدی و سیاہی کی کشمکش میں بدر کے فرشتوں کی مانند ربّ العزت نے علماء ربّانیین کو وجود بخشا جنہوں نے ان ذاکروں کے ہر فریب کو ننگا کیا، ہر زہر آلود شبہ کا ازالہ کیا،اور ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ پھر یہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

ذکر اُس شہیدِ جلیل کا ہے،جس کے سرِ انور پر خود سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سیّدُ الشہداء'' کا تاج رکھا۔وہ جن کی زبان کفّارِ مکّہ کے خلاف تلوار کی مانند برہنہ رہی،اور جن کے بازو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شمشیرِ حق بنے رہے۔ان کی ہیبت ایسی کہ جب وہ معرکۂ کارزار میں قدم رکھتے تو آدھے دشمنوں کے چہرے خوف سے زرد پڑ جاتے اور پیشانیوں پر شکنیں ابھر آتیں۔اس سیّد کو وحشی بن حرب (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں جبلِ اُحد کی کوہ میں شہید کیا گیا۔شہادت کے بعد کئی متقدّم و متأخّر مؤرخین (جن میں موجودہ دور کی کتاب ''الرحیق المختوم'' بھی شامل ہے) نے اس واقعے کو ذکر کیا کہ ہند بنتِ عتبہ جو ابوسفیان کی بیوی اور معاویہ کی ماں ہیں،انہوں نے حضرت حمزہ کی لاش پر جا کر ان کا سینہ چاک کیا اور سیّدُ الشہداء کا کلیجہ نکال کر اسے چبایا،اور کوشش کی کہ سیّد کا کلیجہ نگل لیں مگر نگل نہ سکیں۔ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا گیا کہ ہند بنتِ عتبہ رضی اللہ عنہا نے جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی انگلیاں،کان اور ناک کاٹ کر ان سے پازیب اور ہار بنائے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ہند بنتِ عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام لانے سے قبل مسلمان اور اہلِ اسلام کے گلے میں کانٹے کے مانند چبھتے رہے، ہر وہ تکلیف جو وہ مسلمانوں کو پہنچا سکتے تھے، پہنچائی، رسول سے دشمنی میں سرِ فہرست رہے۔مگر اسلام لانے کے بعد اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ایسے مَسخ کر دیتا ہے گویا وہ رہے ہی نہ ہوں۔دلِ کافر میں جب ایمان کی روشنی داخل ہوتی ہے تو دل ہی کیا،جسم کے روئیں روئیں کو منوّر کر دیتی ہے،روح کو ایسے چمکا دیتی ہے گویا کبھی کوئی داغ رہا ہی نہ ہو۔اسی نور نے ابوسفیان اور ہند رضی اللہ عنہما کے دل کو بھی چن لیا اور روشن کر دیا۔اب کسی صحابی کو بھی جواز نہ رہا کہ ماضی کی جہالت کا طعنہ دے،اور جب صحابی کو حق نہیں تو صحابہ کے پیر کی دھول کے برابر بھی حیثیت نہ رکھنے والے انسانوں کو حق کیسے ہو سکتا ہے کہ ماضی کے صفحات الٹ پلٹ کر انہیں سامانِ طعنہ بنائیں؟

البتہ انکار ہے اس شہرت یافتہ جھوٹے واقعے کا جسے بڑی دلیل بنا کر روافض کی جانب سے اُچھالا جاتا ہے، ''تمہاری کتابوں میں لکھا ہوا ہے'' کے افسانے گڑھے جاتے ہیں، مگر مچھ کے آنسو نکال کر جذبات کی بیڑیوں میں جکڑا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اس خوبصورت ڈبیا میں بند زہر پر شعر کا حسین غلاف بھی چڑھایا جاتا ہے، مستزاد، عشق ومعشوقی کی چادر کی آڑ میں عقیدہ کا بےرحم فساد کچھ یوں برپا کیا جاتا ہے کہ:

رہتے ہیں تیرے شہر میں ہندہ مزاج لوگ! ڈر ہے چبا نہ جائیں کلیجہ نکال کر!

ان روایات کو صاحبِ المغازی ابنِ اسحاق رحمہ اللہ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ان واقعات کو اپنی کتاب میں ذکر کیا، ساتھ ہی ابنِ ہشام رحمہ اللہ کی کتاب میں بھی ان روایات کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ابنِ اسحاق و ابنِ ہشام رحمہما اللہ کی کتابوں کا مقصد محض سیرت النبی ﷺ سے متعلق روایات (بالخصوص کتاب المغازی) کو جمع کرنا تھا۔ لہٰذا اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے بغیر صحیح وضعیف میں تمیز کیے انہوں نے امت کو تاریخی روایات کا بحرِ بیکراں عطا کر دیا۔ مگر اہلِ ہوا اور خواہشات کے پیروکاروں نے اپنے من کے مطابق روایات کو چنا جو ان کے موقف وعقیدہ کی راہ ہموار کرتی تھیں، ان کا سہارا لے کر زبان وادب کا خوشنما رنگ لگا کر شہرت کے آسمان تک پرواز دلائی اور لوگوں میں ان روایات کا خوب پرچار کیا، بالخصوص روافض نے تو ان جیسی روایات کا سہارا لینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، لیکن یہ بھول گئے۔

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾[الصف:۸]

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی باتوں) سے بجھا دیں، مگر اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

اب آئیں ذرا ان روایات کا تذکرہ کر دیا جائے جو اس ضمن میں بیاں کی جاتی ہیں:

ان ساری روایتوں کو محمد بن عبداللہ العوشن حفظہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تالیف ما شاء ولم يثبت في السيرة النبوية میں نقل کیا اور ان کا تجزیہ بھی کیا۔ مندرجہ ذیل کچھ روایات پیش کی جاتیں ہیں:

۱۔قال ابنِ إسحاق: (ووقعت هند بنت عتبة، كما حدثني صالح بن كيسان، والنسوة اللاتي معها يُمثّلن بالقتلى من أصحاب رسول الله يُجدّعْن الآذان والأُنُف، حتى اتخذت هند من آذان الرجال وأَنفهم خَدمًا وقلائد، وأعطت خدمها وقلائدها وقرطها وحشيا، غلام جبير بنِ مطعم، وبقرت عن كبد حمزة، فلاكتها، فلم تستطع أن تسيغها، فلفظتها..)[الروض الأنف :۱۵/۶]

ابنِ اسحاق کہتے ہیں: ہند بنتِ عتبہ نے۔ جیسا کہ مجھ سے صالح بنِ کیسان نے بیان کیا۔ اور اُن عورتوں نے جو اُس کے ساتھ تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے شہیدوں کے ساتھ مُثلہ (لاشوں کا مثلہ کرنا) کیا۔

وہ ان کے کان اور ناک کاٹتی تھیں، یہاں تک کہ ہند نے ان کانوں اور ناکوں سے کنگن اور ہار بنا لیے۔ پھر اس نے اپنے غلام وحشی بنِ حرب، جو جُبیر بن مطعم کا غلام تھا، کو وہ ہار، کنگن، اور اپنے بالیوں سمیت عنایت کیے۔ اور پھر حمزہؓ کا کلیجہ چاک کیا اور اسے چبایا، مگر نگل نہ سکی، لہٰذا تھوک دیا۔

حکم: روایت میں صالحِ بنِ کیسان راوی ہیں، اور وہ ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں رجالِ الجماعۃ میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ عمر بنِ عبدالعزیز کے بچوں کے مؤدّب بھی تھے۔

لیکن: یہ روایت مرسل ہے، یعنی صالح بنِ کیسان نے واقعہ براہِ راست نہیں دیکھا بلکہ بغیرَ واسطہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہؓ کے زمانے کی خبر نقل کی ہے۔

۲۔ قال ابنِ إسحاق: ((وخرج رسولُ الله، فيما بلّغني، يتلمّسُ حمزة بنِ عبدِ المطلب، فوجده ببطنِ الوادي قد بُقِر بطنه عن كبده، ومُثِّل به، فجُدع أنفه وأُذناه. فحدّثني محمد بنُ جعفر بنِ الزبير أن رسولَ الله: قال حين رأى ما رأى: »لولا أن تحزن صفية، ويكون سُنّة من بعدي لتركته حتى يكون في بطون السباع، وحواصل الطير، ولئن أظهرني الله على قريش في موطن من المواطن لأُمثلنّ بثلاثين رجلاً منهم« فلما رأى المسلمون حزن رسولِ الله وغيظه على من فعل بعمّه ما فعل، قالوا: والله لئن أظفرنا الله بهم يوماً من الدهر لنمثلنّ بهم مثلة لم يمثلها أحد من العرب.[الروض الأنف :۲۰/۶]

ابنِ اسحاق نے کہا: جو بات مجھے پہنچی وہ یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے اور حمزہ بنِ عبدِ المطلب کو ڈھونڈا تو انہیں وادی کے بطن میں پایا گیا، اُن کا پیٹ چاک کیا گیا تھا اور ان کے ساتھ مثلہ کیا گیا تھا، ان کی ناک اور کان کاٹ دیئے گئے تھے۔ محمد بن جعفر بنِ الزبیر نے مجھے بتایا کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ منظر دیکھا تو فرمایا: ''اگر صفیہ کے غم کا اندیشہ نہ ہوتا اور یہ کہ یہ عمل میرے بعد سُنّت نہ بن جائے، تو میں اسے یوں چھوڑ دیتا کہ جانور اسے کھا جائیں اور پرندے اس کے گوشت کو نوچ جائیں، اور اگر اللہ مجھے کسی مقام پر قریش پر غالب فرمائے تو میں ان میں سے تیس آدمیوں کے ساتھ اسی طرح کا مثلہ کروں گا''۔ جب مسلمانوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم کو دیکھا تو انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم، اگر اللہ ہمیں کبھی ان پر غالب کرے تو ہم ان کے ساتھ ایسا مثلہ کریں گے جو کسی عرب نے کسی کے ساتھ نہ کیا ہوگا''۔

حکم: یہ خبر بھی مرسل ہے۔

۳۔وروى الإمام أحمد قال: حدثنا عفّان قال: حدثنا حمّاد قال: حدثنا عطاء بن السائب عن الشعبي عن ابنِ مسعود قال: ((... فنظروا فإذا حمزة قد بُقِر بطنُه، وأخذتْ هند كبده فَلاكتها فلم تستطع أن تمضغها، فقال رسولُ الله: (أكلتْ شيئًا؟) قالوا: لا، قال: (ما كان الله ليدخل شيئاً من حمزة في النار). وفيه صلاته على حمزة سبعون صلاة.))[المسند :۱۹۱/٦]

امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق جب ہند نے حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا مگر نگل نہ سکی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اس نے کچھ کھایا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے کسی حصے کو آگ میں داخل نہ کرے گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر ستر نمازیں پڑھیں''۔

ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں فرمایا: اس روایت کو صرف امام احمد ہی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں کمزوری ہے، کیونکہ عطاء بنِ السائب کے حافظے میں اختلاط پیدا ہو گیا تھا، لہٰذا اللہ بہتر جانتا ہے۔[البداية والنهاية: ۴۱/۴]

شیخ البانی نے کہا: یہی بات درست ہے، برخلاف اس کے جو شیخ احمد محمد شاکر نے کہا کہ یہ روایت صحیح ہے، کیونکہ وہ عطاء بنِ السائب کے اختلاط کے زمانے کے سماع کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔[فقه السنة للغزالي: تخريج الاحاديث: محمد ناصر الدين الالباني:الطبعة الاولى:۱۴۴۷،ص:۲٦۵]

اور اس روایت کے متن میں بھی نکارت (تنازعِ لفظ) ہے وہ یہ کہ:"ما كانَ الله ليدخل شيئًا من حمزة في النار" کیونکہ ہند بعد میں اسلام لے آئی تھی، اور اسلام ماضی کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہے کہ عامر بنِ شَراحیل الشَّعبي، جو اس روایت میں ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں، اس کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع براہِ راست ثابت نہیں، جیسا کہ اس پر ائمہ نے تصریح کی ہے۔(حاکم، دارقطنی، ابوحاتم، اور ابن باز رحمہم اللہ وغیرھم نے)[تهذيب التهذيب :٦٨/۵]

ان ساری روایات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہند بنتِ عتبہ کا حمزہؓ کا کلیجہ چبانا کسی بھی اعتبار سے ثابت نہیں، البتہ شہداءِ اُحد کا مثلہ کیا جانا ثابت ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابوسفیان کا قول منقول ہے کہ جب جنگ ختم ہوئی اور وہ اس دن مشرکین کے سردار تھے تو انہوں نے کہا: وتجدون مُثلة، لم آمر بها ولم تسؤني.[صحيح البخاري:۴۰۴۳]

البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہند بنتِ عتبہ کا حمزہ رضی اللہ عنہ کے کلیجہ چبانے کا یہ واقعہ جھوٹ پر مبنی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اہلِ حق کا ڈر ہمیشہ اہلِ باطل کے سینوں میں رہے اور چیخ چیخ کر للکارتا رہے کہ:

''چبا نا جائیں کلیجہ نکال کر''!!

قسط:(۱۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کی کتابوں کا تعارفی سلسلہ

ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی

"التحفة العراقية في الأعمال القلبية" کا تعارف پیش خدمت ہے:

کتاب کا نام،نسبت اور سبب تالیف:

یہ کتاب ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی جانب منسوب ہے، اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، ابن تیمیہ کے مشہور شاگرد ابن عبد الہادی نے صراحتاً اس کا ذکر فرمایا ہے۔[العقود الدرية في مناقب ابن تيمية:ص:۵۲ ط عطاءات العلم]

ذكره ابن رشيّق (ص:۳۰٦). وطبع مختصره مرارًا، وهو في "مجموع الفتاوىٰ":(۲۸/ ۲۴۴_ ۳۹۷). وطبع كاملًا لأول مرة ضمن مشروع آثار شيخ الإسلام ابن تيمية في مجلد، بتحقيق الشيخ علي بن محمد العمران۔مجموعة الرسائل المنيرية(۲/ ۴_۶۵)

اس کتاب کا نام جو انہوں نے رکھا ہے، اس کا کوئی خاص سبب کہیں مذکور نہیں ہے، البتہ ان کی دیگر کتابوں کو سامنے رکھنے سے ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جیسے انہوں نے اپنی ایک کتاب کا نام واسطیہ رکھا ہے، سائل کے شہر واسط سے تعلق رکھنے کے سبب، ایسے ایک دوسری کتاب جس کا نام حمویہ ہے، اس کی بھی نسبت سائل کے شہر حماہ کی جانب ہے، اور بھی کئی ایک کتابیں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہیں جن کی نسبت سائل کے شہر کی جانب ہے۔ ممکن ہے اس کتاب کی نسبت جو عراق کی جانب ہے، تو کوئی سائل عراق سے آیا ہوا اور اعمال قلوب سے متعلق کچھ دریافت کیا ہو تو شیخ نے یہی رسالہ تالیف کر دیا ہو۔

سبب تالیف: یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ دلوں کے اعمال سے متعلق ان کے لیے کچھ لکھ دیں تو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ کتاب لکھی۔

اس کتاب کی اہمیت: اعمال القلوب کا تعلق اصول ایمان وقواعد دین سے ہے، مثلاً اللہ اور اس کے رسول سے محبت، توکل علی اللہ، عبادات میں اخلاص، اللہ کے حکم پر صبر کرنا، رجا(امید) وغیرہ۔

کتاب کا موضوع: اس کتاب کے اندر شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے دلوں کے اعمال سے متعلق گفتگو کیا ہے، سارے اعمال القلوب کا احصاء ابن تیمیہ کا مقصود نہیں ہے بلکہ بعض کا ذکر مقصود ہے، اعمال قلوب سے متعلق جو لوگوں کے مختلف درجات ہیں، اسے انہوں نے بیان کیا ہے، قلبی اعمال کو بھی بیان کیا ہے، جیسے صدق، اخلاص، توکل، رضا، محبت وغیرہ۔

اگر ہم ذرا تحقیقی نظر سے دیکھیں تو اعمال القلوب سے متعلق بھی ایسے گروہ اس کرہ ارضی میں مل جائیں گے جن کے یہاں ہوائے نفس کی بنیاد پر بدعقیدگی موجود ہے۔ شیخ الاسلام نے ان کے اس عقیدہ پر بھی صراحت کے ساتھ کاری ضرب لگایا ہے۔

کتاب میں ابن تیمیہ کا منہج:

(۱) قرآن کریم سے استدلال۔(۲) سنت نبویہ سے استدلال۔(۳) صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے آثار سے استدلال۔(۴) کبھی کبھار مشائخ صوفیہ کے آثار کا سہارا لیتے ہیں، لیکن یہ ان کی وہی باتیں ہوتی ہیں جو کتاب وسنت کے موافق ہوتی ہیں۔(۵) مخالفین پر رد کرنے کے لیے عقلی دلائل بھی ذکر کرتے ہیں۔(۶) بسا اوقات اشعار بھی بطور استشہاد پیش کرتے ہیں، لیکن قائل کی طرف نسبت نہیں کرتے ہیں۔

فوائد علمیہ:

(۱) اعمال القلوب میں لوگوں کے وہی تین درجات ہیں جیسے اعمال الابدان میں تین مراتب ہیں۔

(اَ) ظَالِم لنَفسِهِ۔ یعنی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے لوگ، وہ اس طریقے سے کہ حرام کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں ترک کرتے ہیں۔

(ب) مقتصد۔ شریعت پر عمل کرنے والے وہ اس طریقے سے کہ وہ واجبات کی ادائیگی کرتے ہیں اور محرمات کو ترک کرتے ہیں۔

(ج) سابق بالخیرات۔ خیر کے کاموں میں سبقت کرنے والے لوگ یعنی وہ لوگ جو واجبات اور مسنون اعمال میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۲) ائمۃ المسلمین جیسے سفیان ثوری وغیرہم کا کہنا ہے بدعت ابلیس کو گناہ سے زیادہ محبوب ہے، کیونکہ اصلاً بدعت سے کوئی توبہ نہیں کرتا جبکہ گناہ کا علم ہوجانے کے بعد اس سے توبہ کرلیا جاتا ہے۔(مطلب یہ ہے کہ ایک بدعتی بدعت کو نیک عمل سمجھ کر کے انجام دیتا ہے، پھر وہ اس سے کیسے توبہ کرے گا جبکہ ایک گناہ کرنے والے شخص کو جب یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ فلاں کام گناہ ہے تو فوراً وہ اس سے توبہ کرلیتا ہے)۔

(۳) جو حق کو جانتے ہوئے بھی محض اپنی خواہش کی وجہ سے اس کی پیروی سے اعراض کرے، تو یہ عمل اسے جہالت اور گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اس کا دل بالکل واضح حق سے بھی اندھا ہوجاتا ہے۔

(۴) غمگین رہنے کا حکم نہ تو اللہ رب العزت نے دیا ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، بلکہ کئی مقامات پر اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔ جیسے اللہ کا فرمان ہے۔(ولا تحزنوا) اور تم لوگ غمزدہ نہ ہو (ولا تحزن علیهم) اور آپ ان

پرغم نہ کریں (لا تحزنْ إنَّ اللّٰہ معنا)غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

(۵)غم کا شکار ہوکر کے نہ تو کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اپنے اوپر آنے والے نقصان کو ٹالا جاسکتا ہے،توجس کے اندرکوئی فائدہ نہ ہواس کا حکم اللہ رب العزت کیونکر دے سکتا ہے۔

(٦)توکل اور عبادت کا ذکر اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر ایک ہی ساتھ میں کیا ہے، کیونکہ یہ دونوں مل کر پورے دین کو جمع کر دیتے ہیں۔(کیونکہ پورا دین انہی دو چیزوں پر قائم ہے)۔اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے۔

(۷)''یقیناً اللہ تعالیٰ نے منزل کردہ تمام کتابوں کا علم قرآن کریم میں جمع کر دیا ہے، پھر قرآن کے علم کو مفصل (سورۃ ق سے لے کر سورۃ الناس تک) میں سمو یا دیا ہے،اور مفصل کے علم کو فاتحۃ الکتاب (سورۃ الفاتحہ) میں اکٹھا کیا ہے، اور فاتحہ کے علم کو اس جامع آیت میں محصور فرمایا: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} یعنی ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

((({إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} اس آیت سے متعلق جملہ امور مسائل کی توضیح پر انہیں کے شاگرد ابن قیم رحمہ اللہ کی مستقل ایک تالیف ہے بنام۔"مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين".

(أول المفصل من ق إلى آخر القرآن على الصحيح، وسمي مفصلا لكثرة الفصل بين سوره بالبسملة على الصحيح" انتہی ، باختصار يسير من"فتح الباري"(۲/۲۵۹)،وينظر أيضا:"فتح الباري"(۹/۴۳)

سورہ ق سے سورہ ناس تک کی تمام سورتیں مفصل میں شمار کی جاتی ہیں،بسم اللہ کے ذریعہ کثرت فصل کی وجہ سے انہیں مفصل کہا جاتا ہے۔(آفاق احمد)))۔

(۸)جو زہد شریعت کو مطلوب ہے وہ یہ کہ ان امور سے کنارہ کشی اختیار کرلیا جائے جن میں نہ تو دنیاوی اعتبار سے اور نہ ہی اخروی اعتبار سے کوئی فائدہ ہے،یعنی یہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن سے اطاعت الٰہی میں کسی قسم کی مدد بھی نہیں ملتی ہے۔

(۹)جس شخص نے بھی یہ بات کہی کہ توکل اور دعا سے نہ تو کوئی فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی نقصان کو ٹالا جاسکتا ہے، یہ صرف ایک عبادت ہے اور توکل کی حقیقت محض تفویض (اللہ پر معاملہ سونپنے) کی مانند ہے۔تو اس کی یہ بات غلط ہے۔(دراصل اس بات کے ذریعہ ابن تیمیہ صوفیہ پر رد کرنا چاہتے ہیں جو توکل کی غلط تشریح کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔(آفاق احمد)۔

(۱۰)ہدایت علم کے بغیر نہیں ملتی اور سیدھا راستہ صبر کے بغیر نہیں ملتا ہے۔ بے شک صبر ایمان کے لیے سر کی مانند ہے جو جسم کا حصہ ہے، اور جس میں صبر نہ ہو اس کے پاس ایمان بھی نہیں ہے، گویا کہ ایک طرح سے۔(اس سے ہمیں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایمان اور صبر کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے)۔

(۱۱) ﴿مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا۔۔۔﴾[البقرہ:۲۱۴] ۔ترجمہ: انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے۔

"البَأْسَاءُ" سے مراد مالی پریشانیاں، غربت اور اموال کی تنگی ہے۔

"الضَّرَّاءُ" سے مراد جسمانی بیماریاں، آلام اور بدنی تکالیف ہیں۔

"وَزُلْزِلُوا" سے مراد دلوں کا شدید ہل جانا، خوف و ہراس اور گہرا اضطراب ہے جو ایمان والوں کے دلوں میں پیدا ہوا۔

(۱۲) جنت کا مطلب ایک ایسی جگہ جہاں تمام طرح کی نعمتیں متوفر ہیں اور وہاں کی سب سے عظیم ترین نعمت دیدار الٰہی ہے، جو اہل جنت کو جنت میں میسر ہوگی۔

(۱۳) قرآن میں تدبر و تفکر سے جو علم و ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اسے بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تحقیقات وشروحات:

(۱)التحفة العراقية فى الاعمال القلبية، المؤلف: تقي الدين احمد بن تيمية-۷۲۸ھ، تحقيق: د. يحيى بن محمد بن عبد الله الهنيدي، مكتبة الرشد، ط۱، ۱۴۲۱، وأصل الكتاب رسالة ماجستير.-

(۲)شرح التحفة العراقية – الشيخ د. عبد الله بن عايض القحطاني-

(۳)التحفة العراقية فى الاعمال القلبية ،تحقيق و دراسة ،محمد رفيق زين العابدين.

(۴)التحفة العراقية فى الاعمال القلبية،تحقيق :عبد الجليل عبد السلام

(۵)التحفة العراقية فى الاعمال القلبية تحقيق: سليمان بن مسلم الحرش، دار المعراج الدولية، ط۱، ۱۴۱۳، معتمداً على مخطوطة من المكتبة الظاهرية.

(جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی لائبریری میں یہ تحقیقی نسخہ موجود ہے ،جسے پڑھنے کے لیے لائبریری کی اس تفصیل کو سامنے رکھنا ہوگا۔ الموضوعات التصوف الاسلامي،: رقم التصنيف:۲۶۷ ت أ ت)۔

جاری.........

خواتین قلمکار کے لیے ماہانہ مجلہ "اہل السنۃ" ممبئی کی ایک جدید پیشکش

اہلُ السُنَّۃ
Ahl Us Sunnah

مارچ ۲۰۲۶ء | March 2026

گوشۂ خواتین

فہرست

صدیوں کے مجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہ ...خطاب از: شیخ عبدالحسیب مدنی	تلخیص وپیشکش: ام محمد خوشنما مصلح الدین	35
صبرواستقامت: دین ودنیا کی کامیابی	بنت اصغر حسین، کرناٹک	42
ماں کی ممتا	آمنہ شرمین ام محمد ازلان	47

ایڈیٹر: ام محمد خوشنما مصلح الدین حفظہا اللہ
(طالبہ ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ سعودی عرب)

رابطہ نمبر برائے خواتین قلمکار
+91 -7045788737
ahlussunnah.ms@gmail.com

صدیوں کے مجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہ (٦٦١ - ٧٢٨ھ)

خطاب از: شیخ عبدالحسیب عمری مدنی حفظہ اللہ

تلخیص وپیشکش: ام محمد خوشنما مصلح الدین

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تاریخِ اسلام کی ایک عظیم علمی شخصیت اور سلفی دعوت کو ایک پہچان دینے والے علماء میں سے نمایاں ترین اور بڑے اونچے مقام کی حامل شخصیت ہیں۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ سلفی حلقوں میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارتوں اور ان کے اقوال یا ان کی تحقیقات کا حوالہ دے کر مسائل کی وضاحت یا مسائل کے بیان کرنے میں ان کا نام اکثر و بیشتر لیا جاتا رہتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس دنیا میں یہ سنت رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بدنام کرنے والے، ان کے بارے میں غلط پروپیگنڈہ کرنے والے لوگ ہر دور کے اندر موجود رہے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ جہاں جہاں حق بیان کرتے، اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے ہوئے آگے بڑھتے، دشمنانِ اسلام ان کے پیچھے پیچھے جاکر لوگوں کے اندر غلط فہمیاں پیدا کرتے۔

چنانچہ انبیاء کی یہ سنت انبیاء کے وارثین کے حق میں بھی آتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جب کبھی ان کے علم اور ان کی محنتیں، ان کی کتابیں، ان کی تحقیقات کو دنیا کے اندر عام کرتا ہے، تو ان کے پیچھے پیچھے ان کو بدنام کرنے والے لوگ لگ جاتے ہیں اور ان کی شخصیت کو نشانہ بناتے ہیں، اس سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر شخصیت کو بدنام کر لے جائیں گے تو ان کی دعوت بھی بدنام ہو جائے گی، ان کے حساب سے شخصیت اگر گر جائے گی تو ان کا پیغام بھی گر جائے گا۔

آج ایک طرف جہاں سب سے زیادہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا لٹریچر پڑھا جارہا ہے، ان کے معارف و علوم، ان کے بیان کردہ حقائق پر ریسرچ ہورہی ہے، تو وہیں دوسری طرف ان کو بدنام کرنے، غلط باتیں ان کی طرف منسوب کرنے کی کوشش بھی سب سے زیادہ کی جارہی ہے۔

ایسی صورت میں یہ علمائے حق کا حق بنتا ہے کہ اگر ان کے پیٹھ پیچھے ان کے بارے میں غلط بیانی کی جارہی ہے تو ان کا دفاع کیا جائے، ان کا دفاع صرف ان کا دفاع نہیں، بلکہ سلفیت کا دفاع ہے، کیونکہ لوگ شخصیت کی آڑ میں ابن

تیمیہ رحمہ اللہ کا نام لے کر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو نہیں بلکہ عصرِ حاضر میں سلفی دعوت کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

مگر وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ شیخ الاسلام کا رشتہ اس پیغام سے ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ".

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر (قائم رہتے ہوئے) غالب رہے گا، جو شخص بھی ان کی حمایت سے دستکش ہو گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا حکم (قیامت) آ جائے گا اور وہ اسی طرح ہوں گے''۔ [صحیح مسلم:۱۹۲۰]

شیخ الاسلام رحمہ اللہ جن کے بارے میں کہا گیا کہ وہ سات صدیوں کے مجدد ہیں، اور جن کے بارے میں یہ کہا گیا کہ ساڑھے چودہ سو سال کا جو عرصہ ہے وہ ٹھیک اس کے درمیانی عرصہ میں آئے، ان سے پہلے تقریباً سات صدیاں اوران کے بعد تقریباً سات صدیاں تاریخ اسلام نے دیکھیں ہیں، شیخ الاسلام نے ایسا تجدیدی کام کیا کہ ان سے پہلے کی سات صدیوں میں جو کچھ بگاڑ آیا تھا اس کی تصحیح کا کارنامہ انجام دیا، اوران کے بعد کی اگلی سات صدیاں بھی ان سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔

شیخ الاسلام جس صدی میں آئے وہ علم و معارف کے زوال اور انحطاط کا دور تھا، اس زمانے میں کئی مسائل اپنے حقیقی مقام سے ہٹ چکے تھے، ایک مجدد دین کے نام پر کوئی نئی چیز نہیں لاتا، بلکہ وہ دین کی پرانی باتیں جو اپنے مقام سے ہٹ چکی ہوں ان کو پھر سے بحال کرتا ہے، اوران کو ان کے حقیقی مقام پر لے جانے کا کام کرتا ہے، اس ناحیہ سے شیخ الاسلام نے ہر باب میں مثالی کام انجام دیا۔

شیخ الاسلام کو مجدد القرون السبعہ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ کتاب وسنت کی دعوت جو کہیں نہ کہیں عقل کی برتری کی شکل میں، یا تقلید کی شکل میں، یا منطق اور فلسفہ کے نام پر پیچھے ہوگئی تھی، انہیں اپنی جگہ پر واپس لا کر بحال کر دیا۔

شیخ الاسلام کے دور میں اہل سنت سے مراد لوگ اشاعرہ کو لیا کرتے تھے، چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہل السنۃ کا لقب حقیقی اہل سنت کو واپس لوٹایا، یہ شیخ الاسلام کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

ابن ناصر الدمشقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے اندر لکھا ہے:

’’تاریخ اسلام میں مختلف مسالک کے ایسے ۸۵ بڑے علماء گزرے ہیں جن میں سے ہر ایک نے اس بات کی گواہی دی کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ واقعتاً شیخ الاسلام کے لقب کے حامل اور اس کے اہل ہیں‘‘۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ناصر الدین الدمشقی کی یہ بات نقل کرنے کے بعد فرمایا:

”وشهرة إمامة تقي الدين أشهر من الشمس، وتلقيبه بشيخ الإسلام في عصره باقٍ إلى الآن على الألسنة الزكية، ويستمر غداً كما كان بالأمس".

’’امام تقی الدین کی شہرت سورج سے زیادہ روشن وعیاں ہے، ان کے زمانے میں انہیں شیخ الاسلام کا جولقب دیا گیا وہ زبانوں پر آج تک جاری ہے، اور آئندہ مستقبل میں بھی یہ اسی طرح برقرار رہے گا جیسے ماضی میں تھا‘‘۔[تقريظ لابن حجر على الرد الوافر:ص:۱۲]

چنانچہ شیخ الاسلام نے سات صدیوں میں بگڑے مسائل کی تصحیح کی، اور اگلی سات صدیوں کے لئے تأصیل کا کام کیا۔

شیخ الاسلام نے اپنی کتاب عقیدہ واسطیہ جب لکھی اس زمانے میں شافعیت کا غلبہ تھا، یہ کتاب اشعریت کی کمر توڑنے والی کتاب تھی، اس کتاب کو باطل قرار دینے کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو اس وقت کے قاضی کے سامنے بلایا گیا چنانچہ قاضی نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ:

اے احمد بن عبد الحلیم! آپ نے یہ کتاب امام احمد کے مسلک کے مطابق لکھی ہے؟ یعنی آپ یہ مان لیں کہ آپ نے جو عقیدہ واسطیہ لکھا ہے امام احمد رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق لکھا ہے۔

وہ چاہتے تھے کہ ایک بار ابن تیمیہ اگر یہ کہہ دیں کہ امام احمد بن حنبل کے مسلک کے مطابق بیان کیا ہے تو پھر یہ لوگ کہہ دیں گے کہ ابن تیمیہ نے اقرار کیا ہے کہ یہ حنابلہ کے لیے لکھی گئی کتاب ہے، حنبلی مسلک کی کتاب ہے، آپ شوافع ہیں، آپ شافعی مذہب میں باب العقیدۃ میں اشعریت پر باقی رہئے۔

چنانچہ شیخ الاسلام نے اس پر جواب دیا:

"هذه عقيدة سلف الصالح، وأحمد إنما هو مبلغ عن النبي ﷺ، ولو قال أحمد من تلقاء نفسه ما لم يجئ به الرسول لم نقبله، وإنما هذه عقيدة محمد ﷺ". [مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية :ج:۳/۱۸۹]

''یہ سلف صالحین کا عقیدہ ہے، اور امام احمد تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو ہم تک پہنچانے والے مبلغ ہیں، اگر امام احمد اپنی طرف سے کوئی ایسی بات کہتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو ہم اسے ہرگز قبول نہ کرتے، یہ تو درحقیقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی عقیدہ ہے''۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو مجددانہ کام انجام دئے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) براہ راست کتاب وسنت کو اپنی زندگی میں مقدم کرنے اور سلف صالحین کے منہج کے مطابق کام کرنے کی طرف لوگوں کو لوٹایا۔

(۲) عقل کے سلسلہ میں متوازن موقف رکھا، بنیادی طور پر عقل کا دین میں کردار کیا ہونا چاہیے یہ بتلایا، پھر انہوں نے اس سلسلے میں تین اہم ضابطے ذکر کئے:

پہلا ضابطہ: عقل اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کو یوں ہی چھوڑ دینا کوئی عقلمندی نہیں ہے، دین سمجھنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے، لیکن عقل صرف کافی نہیں، جیسے کہ آنکھ کی روشنی جتنی بھی اچھی ہو لیکن آنکھ کی بینائی کے ساتھ سورج کی روشنی نہ ہو، چاند کا اجالا نہ ہو یا چراغ کی روشنی نہ ہو تو آدمی چیزوں کو صحیح سے دیکھ نہیں پاتا، اسی طرح انسان کی عقل چاہے جتنی کامل ہو اگر نصوصِ شریعت اس کے ساتھ نہ ہو تو آدمی صحیح حقائق نہیں دیکھ سکتا، اس لیے انسان کو اپنی عقل سے کام لینا چاہیے، لیکن عقل کو سب سے اونچے درجے پر نہیں رکھنا چاہیے، یعنی کتاب وسنت پر فوقیت نہیں دینی چاہیے۔

دوسرا ضابطہ: یہ طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعت نازل کی ہے، اس کے مطابق ''العقل السليم لا يعارض النقل الصحيح'' یعنی قرآن وسنت سے اگر کوئی بات ثابت ہے تو وہ عقلِ سلیم سے ٹکرا نہیں سکتی، اگر کہیں ٹکراؤ نظر آتا ہے تو دو میں سے ایک بات ہوگی یا تو نقل غیر صحیح (ضعیف یا موضوع) ہوگی یعنی چھان بین کی ضرورت ہوگی کہ آیا وہ حدیث صحیح ہے یا نہیں، یا پھر دوسری صورت میں لازماً عقل سے غلطی ہو رہی ہوگی۔

تیسرا ضابطہ: ''الشريعة ما أتت بما تحيله العقول ولكن أتت بما تحار فيها العقول''۔ یعنی شریعت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو عقلوں کو ناممکن لگے، ہاں البتہ ایسی چیزیں ضرور مذکور ہیں جس سے عقلیں حیران رہ جاتی ہیں، جیسے کہ معجزات وغیرہ۔

منطق اور عقلانیت کا فتنہ جو پچھلی پانچ صدیوں میں پرزور ہو چکا تھا ان سارے فتنوں کا خاتمہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ

رحمہ اللہ نے کیااور اس سلسلہ میں ”درء تعارض العقل والنقل“جیسی کتاب لکھی۔

(۳)ائمہ اربعہ جو مذاہب فقہیہ میں اصل شناخت بن گئے تھے، حتیٰ کہ عقائد میں بھی اس شناخت پر لوگ جینے لگے تھے، مثلاً اگر حنفی اور شافعی ہوتے تو ماتریدی اور اشعری سمجھے جاتے، گویا کہ جب وہ اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے تو سمجھا جاتا تھا کہ عقیدہ میں وہ ماتریدی ہونگے، اور جب اپنا انتساب شافعیت کی طرف کرتے تو سمجھا جاتا کہ عقیدہ میں وہ لوگ اشعری ہیں، اور جب مالکی کہا جاتا تو وہ سمجھ جاتے کہ ان کا عقیدہ اشعریت زدہ ہوگا، اور امام احمد بن حنبل کا نام لیتے تھے (حنبلی کہتے) تو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ سمجھا جاتا۔

چنانچہ فقہی مذاہب میں جو تقلید و مسلکی عصبیت کے نام پر اندھی تقلید کے محاذ کے مقابلے میں اتباع الدلیل جو کہ مذہب اہل حدیث ہے، فقہ کے باب میں جو اہل حدیث کا مذہب ہے، شیخ الاسلام نے اسے پھر سے ایک مرتبہ زندہ کر کے اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا، لیکن اس وقت انہوں نے یہ بھی دھیان رکھا کہ کہیں ائمۂ اربعہ کے مقام میں کمی نہ ہوجائے، چنانچہ ان کے مقام کو بھی برقرار رکھنے کی تعلیم دی، دونوں میں متوازن موقف پیش کیا۔

اسی ضمن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ”رفع الملام عن الائمة الأعلام“ جیسی کتاب لکھ کر ائمہ اربعہ کے مقام کو بھی برقرار رکھا، اور بتایا کہ دلیل کی پیروی کا مطلب ائمہ کی توہین نہیں ہوتی، بلکہ لوگوں کی صحیح رہنمائی مقصود ہوتی ہے اور اسی پیغام کو دنیا کے سامنے رکھا۔

شیخ الاسلام نے فقہی مسائل کے اندر جن میں اتباع الدلیل کو واضح کیا ان میں سے ایک مسئلہ ایک ہی مجلس اور ایک ہی وقت میں تین طلاق کو ایک ہی طلاق قرار دینا، مذاہب اربعہ میں یہی بات تھی کہ اگر تین طلاق دی تو تین مان لی جائے گی، شیخ الاسلام نے دلیل کی روشنی میں بتایا کہ راجح موقف یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی طلاق شمار ہوگی، اسی قول کی وجہ سے انہیں قید میں بھی رکھا گیا تھا۔

(۴) عقائد کے باب میں بھی آپ نے بہت زیادہ کام کئے، چنانچہ آپ نے یہ واضح کیا کہ صرف ربوبیت کے اقرار سے آدمی کی توحید مکمل نہیں ہوتی، اس کے لئے توحید الوہیت بھی ضروری ہے اور یہی کلمہ لا إله إلا الله کا مفہوم ہے، اس تقسیم سے تصوف اور رافضیت کی شرکیات کی جڑیں اکھڑ گئیں کہ آج تک وہ تلملاتے ہوئے کہتے پھرتے ہیں کہ توحید کی تقسیم ابن تیمیہ کی بدعت ہے۔

اسی طرح اسماء وصفات کے باب میں بھی لوگ یا تو تشبیہ میں مبتلا تھے، یا تعطیل کی طرف مائل تھے، شیخ الاسلام

رحمہ اللہ نے سلف صالحین کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو ثابت کرنے کی ایسی دعوت دی کہ سارے کے سارے یعنی معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ اوران کے علاوہ مشبہ ومجسمہ آج بھی اپنی غلطیوں کے ساتھ جی رہے ہیں۔

اسی طرح توسل اور استغاثہ کے سلسلہ میں بھی کافی کام کیا کہ اس وقت کی دنیا اتھل پتھل ہوکر رہ گئی، شیخ الاسلام کو ان کے آخری ایام میں ۷۲۶ھ میں انہی مسائل کی بناء پرانہیں دوبارہ قیدخانہ میں بھیجا گیا۔

اسی سلسلہ کی کڑی پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر تک سفر کر کے جانے کا مسئلہ بھی تھا، اسلام میں مدینہ کی زیارت کے لیے شدرحال یہ مشروع ہے، لیکن قبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے شدرحال مشروع نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی مسجد نبوی کی زیارت کے لئے آئے تو وہ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ یہ مسئلہ آپ رحمہ اللہ کی زندگی میں اتنا طول پکڑا کہ اس کی وجہ سے کئی تکلیفیں انھیں جھیلنی پڑیں۔

(۵) ابن تیمیہ نے تصوف کے تین درجے ذکر کئے:

(۱) ایک تصوف وہ ہے جس کا معنیٰ زھد، ورع، قناعت اور انابت الی اللہ ہے، یہ تصوف کی اصل ہے، یہ سلف صالحین کا تصوف ہے، اسے غلط (یا محض) تصوف کا نام نہیں دیا جاسکتا لیکن اگر تصوف کی کوئی سچائی ہے تو یہ وہ ہے۔

(۲) صوفیہ میں سے وہ لوگ ہیں جن کے اندر عقائد کا کوئی بگاڑ نہیں تھا، لیکن وہ اعمال، اوراد و اذکار کے اندر بدعات میں مبتلا تھے، شیخ الاسلام نے کہا کہ یہ اہل سنت میں سے مانے جائیں گے سوائے ان بدعتی مسائل کے، نیز ان بدعتوں پر نکیر کی جاتی رہے گی۔

(۳) جو وحدۃ الوجود جیسے کفریہ عقیدہ کے حامل تھے، ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام نے کہا کہ یہ لوگ یہود ونصاریٰ کے کفر سے زیادہ کفر میں مبتلا ہیں۔

(۶) شیخ الاسلام کے دور میں رافضیت کا بول بولا تھا، آلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر اکثر غلو کا شکار تھے، ابنِ مطہر الحلی نے ''منہاج الکرامہ'' کے نام پر ایک کتاب لکھی جس میں اس نے اپنی رافضیت کو ابھارا، نیز صحابہ کی شان میں گستاخی اور آلِ بیت سے محبت کے نام پر جو غلو کیا تھا اس میں بیان کیا، چنانچہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منہاج السنۃ النبویۃ'' لکھ کر ایسا تاریخی کارنامہ انجام دیا کہ یہ رافضیت کو آئینہ دکھانے والی تاریخ کی مثالی کتاب بن گئی۔

اسی طرح بعد کے ادوار میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت بھی ایک طرح سے شیخ الاسلام کی دعوت کی ہی تجدید تھی۔

ماضی قریب میں ایک انگریز نے اپنی رپورٹ میں دو بڑی باتیں لکھی ہیں:

پہلی بات: تو یہ لکھی کہ ابنِ تیمیہ کو ابنِ تیمیہ کے زمانے میں اتنا نہیں پڑھا جاتا تھا کہ جتنا آج پڑھا جارہا ہے۔

دوسری بات: کہ مشرق سے زیادہ مغرب کے اندر آج کے دور میں ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے علوم و معارف پر سب سے زیادہ ریسرچ ہورہی ہے۔

چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کوئی انجانی شخصیت نہیں رہے، بلکہ اب وہ موافق اور مخالف سب کے ہاں معروف اور کثرت سے ان کا نام لیا جاتا ہے۔

آج اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے کیونکہ کچھ لوگ اس کے پھیلاؤ اور اثر ورسوخ سے خوفزدہ ہیں، اسی طرح سلفی دعوت کو بھی دہشت گردی کا لیبل لگا کر بدنام کیا جاتا ہے کیونکہ یہ دعوت دلائل پر مبنی ہے اور تیزی سے پھیل رہی ہے، چنانچہ کچھ لوگ اس الزام (دہشت گردی) کے ذریعے اسے روکنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کچھ ایسا ہی معاملہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ بھی پیش آیا، کہ جب ان کے افکار جو کتاب وسنت اور فہمِ سلف پر مبنی تھے پھیلنے لگے، اور کچھ لوگوں کو اس پھیلاؤ کے مقابلے کی کوئی راہ نہ ملی، تو انہوں نے ان پر تہمتیں لگائیں اور انہیں انتہا پسندی سے جوڑ دیا۔

دورِ حاضر کی کچھ انتہا پسند جماعتیں ابن تیمیہ کی طرف نسبت کا دعویٰ تو کرتی ہیں اور بعض ابواب میں ان کے کلام سے فائدہ بھی اٹھاتی ہیں، لیکن ان جماعتوں میں جو انتہا پسندی پیدا ہوئی ہے وہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے منہج سے نہیں آئی، بلکہ وہ دیگر معاصر افکار اور شخصیات سے بھی متاثر ہوئے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے افکار ان بنیادی اصولوں میں سے ہیں جن کے ذریعے انحرافات اور غلو (انتہا پسندی) کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔

لہٰذا ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک مجدد تھے، انہوں نے ان بگاڑ کی اصلاح کی جو پچھلی صدیوں میں پیدا ہوگئے تھے، اور اپنے بعد صدیوں تک باقی رہنے والا علمی اثر چھوڑا، ان کی وفات کے بعد کا زمانہ سینکڑوں سالوں پر محیط ہے مگر ان کا اثر آج بھی موجود ہے۔(رحمه الله رحمة واسعة)

❁❁❁

صبرواستقامت: دین ودنیاکی کامیابی

بنت اصغر حسین، کرناٹک

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحسِنِينَ﴾[سورة يوسف : ۹۱]

''جوبھی پرہیزگاری اورصبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔

لغوی اعتبار سے صبر کہتے ہیں روکنے کو اور یہ جزع فزع کی ضد ہے۔

اور اصطلاحی معنی ہے نفس کو جزع فزع کرنے، زبان کو شکوہ شکایت کرنے اور اعضاء وجوارح کو رخسار پیٹنے سے اور گریبان چاک کرنے اور ان جیسے دوسرے اعمال کرنے سے بچانا اور دور رکھنا۔[عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين لإبن قيم الجوزية رحمه الله]

صبر اہل ایمان کا وہ عظیم وصف ہے جو ان کی عمدہ صفات اور اخلاق حسنہ میں شامل ہے، جس کا کتاب وسنت میں جا بجا تذکرہ آیا ہے، جس میں اہمیت وفضیلت، ترغیب اور انعام کے پہلو شامل ہیں، صبر ایک مومن کا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ زندگی کے مشکل ترین حالات میں بھی فتحیاب ہوسکتا ہے، صبر کا دامن تھاما ہوا انسان دنیا وآخرت میں اجر عظیم اور بلند درجات تک رسائی پاتا ہے، صبر وتحمل اور استقامت کے ساتھ گزارا مشکل وقت میں نجات اور معافی کا ذریعہ قرار پاتا ہے، صبر کا اختتام ہمیشہ بہترین انعام کے ساتھ ہوتا ہے جو نہ صرف صابرین کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے بلکہ اوروں کے لیے بھی ایک مثال بن کر مشکلات میں صبر کا حوصلہ فراہم کرتا ہے۔

محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے اس عالم رنگ وبو کو پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کے مقصد کو صراحتاً بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾ [سورة الملک:۲]

''وہی ہے جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون بہتر عمل کرتا ہے''۔

آیت میں مذکور یہی وہ آزمائش ہے جو ہمیں صبر کی دعوت دیتی ہے، اور یہ آزمائش رہتی سانسوں تک ہر ہر ناحیے سے ہوتی رہے گی، کبھی دین کی راہ میں آزمایا جائے گا تو کبھی دنیاوی اعتبار سے آزمائشوں کا سامنا ہوگا، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾[سورة العنكبوت :۲]

''کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ کہہ دیں گے کہ ہم ایمان لائے ہیں اور انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور آزمایا نہیں جائے گا''۔

مومن ان نازک حالات میں واویلا مچانے، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ناراض ہونے، شیطان کے ہاتھ کا کھلونا بن کر مایوسی کا اظہار کرنے، گلہ شکوہ کرنے یا راہ حق سے منہ موڑ لینے کے بجائے صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے بے شمار اجر کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[سورة الزمر:۱۰]

''بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا''۔

صبر مومن کا وہ عظیم وصف ہے جو مصائب میں بھی اس کے لیے باعث خیر ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''مومن کا معاملہ عجیب ہے اس کا ہر معاملہ اس کے لیے بھلائی کا ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو میسر نہیں، اسے خوشی اور خوشحالی ملے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بھلائی ہوتی ہے''۔[صحيح مسلم :۷۵۰۰]

عمر بن ذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"من أجمع على الصبر في الأمور فقد حوى الخير والتمس معاقل البر وكمال الأجو".

''جو زندگی کے تمام معاملات میں صبر پر جم گیا وہ خیر کو پا گیا، اس نے نیکی کی پناہ گاہیں تلاش کر لی اور کمال درجے کے اجر کو پہنچ گیا''۔[حلية الأولياء لأبى نعيم الأصفهانى:جلد:۵،ص:۱۱۱]

اور یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ طاقتِ صبر بندے کے لیے اللہ تعالی کا عطیہ اور توفیق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلا بِاللَّهِ﴾[سورة النحل : ۱۲۹]

''اور صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ تعالی کی توفیق سے ہی ہے''۔

اور نبی ﷺ نے بھی اس جانب توجہ مبذول کرواتے ہوئے فرمایا:

"وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ"۔

''اور کسی کو بھی صبر سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ بے پایاں خیر نہیں ملی (یعنی صبر تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے)''۔

[صحيح بخارى : ۱۴۶۹]

یعنی صبر اہلِ ایمان کی طاقت ہے، اگر بندے کا دل ایمان باللہ سے خالی یا ناقص ہو تو پھر صبر اس کی طاقت نہیں بنتا بلکہ ناممکن یا کم از کم دشوار ضرور ہوتا ہے اور جو دل جس قدر ایمان سے مزین ہوگا اس دل میں اللہ تعالیٰ صبر کی روشنی بھی

ویسی ہی انڈیل دے گا پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنا، استقامت کا مظاہرہ کرنا، مصائب میں صبر کرتے ہوئے اس سے خیر کی امید رکھنا، اور کشادگی اور آسانی کا انتظار کرنا یہ اس کے ایمان کا ایک لازم حصہ بن جاتا ہے، ایسے ہی اہل ایمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَراتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۞ اَلَّذِينَ إِذا أَصابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ ۞ أُولئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾[سورة البقرة: ۱۵۷-۱۵۵]

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے (۱۵۵) جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''۔

قارئین گرامی! علمائے کرام نے صبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) اللہ تعالی کی اطاعت پر صبر کرنا۔

(۲) اللہ کی معصیت سے بچنے پر صبر کرنا۔

(۳) دنیاوی مشکلات پر صبر کرنا۔

آئیں اب ہم ان تینوں پر مختصراً روشنی ڈالتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنے میں دین اسلام پر ثبات، اللہ تعالی کی عبادت اور اس راہ کی مشکلات پر شیطان، نفس اور دنیا کے بہکاوے میں آئے بغیر جمے رہنا اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ عمل کرتے رہنا شامل ہے، جیسے نمازوں کی پابندی، رمضان کے روزے، حصول علم، اللہ تعالی کی رضا کے لیے دشمنوں سے انتقام نہ لیتے ہوئے انہیں معاف کرنا، برائی کا بدلہ اچھائی سے دیناوغیرہ شامل ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ﴾[سورة مريم: ۶۵]

''پس تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر جم جاؤ''۔

اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر میں یہ بھی شامل ہے کہ اس راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے جو دین میں خلل پیدا

کرے، جیسا کہ فرمایا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ﴾[سورة المنافقون: ۹]

''اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے''۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اسکی تعلیمات پر صبر کے ساتھ جمے رہتا ہے تو وہ صبر کا انعام موت کے ساتھ ہی جنت کی خوشخبری کی شکل میں پالیتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾[سورة فصلت: ۳۰]

''بے شک جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور جنت میں خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچنے پر صبر کرنے کا یہ مطلب ہے کہ بندہ اپنے آپ کو گناہوں کی طرف جانے سے روکے رکھے، چاہے اس گناہ کو کرنا کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو مگر وہ نفس کے جھانسے میں نہ پھنسے بلکہ اس کو مات دے کر صبر کا مظاہرہ کرے، جیسے یوسف علیہ السلام نے امراۃ عزیز کی دعوت گناہ پر اپنے آپ کو بچا کر صبر کا عملی ثبوت دیا، جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر خیر یوں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ [سورة يوسف: ۲۴]

''اور البتہ اس عورت نے تو اس پر ارادہ کرلیا تھا، اور اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا تو اس کا ارادہ کرلیتا، اسی طرح ہوا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو ٹال دیں، بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا''۔

آج کے اس پرفتن دور میں جہاں پر ہر طرف گناہوں کے جال بچھے ہوئے ہیں ایک مسلمان کا ان سے بچ پانا مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے (إلا من رحم ربي)، ایسے موقع پر صبر ہی وہ طاقت ہے جس کو بروئے کار لاکر اپنا دامن گناہوں سے بچایا جاسکتا ہے۔

(۳) دنیاوی مشکلات پر صبر کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پہنچنے والی ہر اذیت پر بندہ راضی رہے اور اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ نہ کرے، ان مشکلات کو دور کرنے کا ہر جائز طریقہ اور وسیلہ اپنائے، اس کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے

ہوئے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے، اس کی طرف رجوع کرے اور اس مصیبت سے درجات کی بلندی کی امید رکھے، جیسا کہ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿يَا بُنَيَّ اَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [سورة لقمان :۱۷] ''بیٹا نماز پڑھا کراور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کراور برے کاموں سے منع کیا کراور تجھ پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں''۔

اس ضمن میں ایوب علیہ السلام ہمارے لیے عمدہ مثال ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی بیماری پر صابر بندے کا اعلیٰ کردار ادا کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کو دور فرمایا اور انعامات کی برکھا برسائی:

﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۞ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنَاهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعَابِدِيْنَ﴾ [سورة الأنبياء : ۸۳_۸۴]

''اور جب کہ ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے روگ لگ گیا ہے حالانکہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو اسے تکلیف تھی ہم نے دور کردی، اور اسے اس کے گھر والے دیے اور اتنا ہی ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بھی دیا اور عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے''۔

حدیث قدسی میں دنیاوی مشکلات میں سے ایک، اپنے کسی عزیز فرد یا چیز سے بچھڑ جانے پر صبر کرنے والوں کو بھی جنت کی بشارت دی گئی ہے:

"مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ، إِلَّا الْجَنَّةُ"

''میرے اس مومن بندے کا جس کی میں کوئی عزیز چیز دنیا سے اٹھا لوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کر لے، تو اس کا بدلہ میرے یہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں''۔[صحيح بخاری : ۶۴۲۴]

الغرض صبر ایک نہایت مؤثر اور مفید ہتھیار ہے جس کو تھام لینے سے انسان دنیا وآخرت میں ناکامی کے گڑھے میں گرنے سے بچ سکتا ہے اور حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی بہترین انداز میں کرسکتا ہے۔

یہ صبر ہی کی طاقت ہوتی ہے جو مسلمان بندے کو کئی طرح کے شرعی وقانونی جرائم سے روکے رکھتی ہے، اس کا اندرون اور بیرون مطمئن ہوتا ہے، اور صبر کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور معجزات کا انتظار ایمان کو قوت بخشتا ہے اس اعتبار سے صبر سراسر خیر کا منبع ہے۔

ماں کی ممتا

آمنہ شرمین ام محمد ازلان

تیری خوشبو نہیں ملتی تیرا لہجہ نہیں ملتا

ہمیں تو شہر میں کوئی ترے جیسا نہیں ملتا (نوشی گیلانی)

اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت ماں ہے، ماں اللہ رب العزت کا ایک ایسا قیمتی تحفہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں، کائنات کا سب سے انمول اور پر خلوص رشتہ ماں کا ہے، ماں کا لفظ بہت وسیع معنیٰ رکھتا ہے جس میں ممتا، پیار و محبت، ایثار و قربانی، ہمت و حوصلہ، بے غرضی، دعا، وفا، ایمان، سچائی، جذبہ، لگن، خدمت، محنت، عبادت، عظمت جیسی خوبیاں موجود ہیں، اِنہیں خوبیوں کی وجہ سے ماں کا مقام باپ سے اونچا ہے، ماں کی عظمت و مقام کو بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے۔

اللہ رب العزت نے اس کے دل کے خانے میں پیار و محبت، شفقت و رحمت کا سمندر پیوست کر دیا ہے جو ہمیشہ سمندر کی لہروں کی طرح بہتا رہتا ہے، اس کی محبت و شفقت، خلوص و وفا کسی تعریف کی محتاج نہیں۔

ماں ہی وہ واحد ہستی ہے جو اپنی اولاد سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد اپنے بچوں کی تربیت، اُن کا مستقبل روشن کرنا اور دنیا جہاں کی خوشیاں فراہم کرنا ہوتا ہے، ماں کی گود ہی وہ واحد ٹھکانہ ہے جہاں اولاد اپنا سر رکھ کر اپنی پریشانیوں سے سکون و آرام، ہر طرح کے درد و الم کی دوا حاصل کرتی ہے اور اپنے دل کا سارا بوجھ ہلکا کر لیتی ہے، دنیاوی رشتوں میں سب سے پر خلوص رشتہ صرف ایک ماں کا اپنی اولاد سے ہوتا ہے، ماں کے اندر ممتا کا وہ جذبہ ہے جو کسی کے اندر نہیں ہوتا، اگر بچہ بھوک سے رو پڑے تو ماں بے چین ہوتی ہے، نا جانے کتنے طریقہ اپناتی ہے کہ بچہ کو آرام ملے اور آرام ملنے تک وہ بے چین ہی رہتی ہے، اس کی یہ بے چینی، بے قراری تب تک رہتی ہے جب تک بچہ خاموش اور مسکرا نہ دے، بچے کو سیر و سیراب کرنے میں اپنی بھوک پیاس بھول جاتی ہے، بچے کو سلانے میں اپنی نیند قربان کر دیتی ہے، ماں اپنی اولاد کے لیے جو قربانیاں دیتی ہے اولاد زندگی بھر اس کا حق ادا نہیں کر سکتی۔

اولاد زندگی بھر اس کے احسانات واحساسات کی مقروض ہوتی ہے، کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے سہارے کے بعد سب سے ضروری سہارا ایک ماں کا ہوتا ہے، جو ہر وقت اللہ رب العزت کے سامنے اپنا دامن پھیلائے رکھتی ہے، کبھی

سجدے میں تو کبھی ہاتھ پھیلائے ہوئے، اولاد سے اتنی محبت اور فکر مند ہوتی ہے کے چلتے پھرتے بھی اپنے اولاد کے حق میں دعا کرتی رہتی ہے اور ماں کی دعاؤں سے ہر چھوٹی بڑی مصیبت ٹل جاتی ہے۔

یہ کائنات کی وہ عظیم ہستی ہے جو اپنی اولاد کے لئے اپنی پوری زندگی قربان کر دیتی ہے، اپنی جوانی، اپنا چین و آرام، خوشی، نیند، سکون، اپنا سب کچھ اولاد کے نام کر دیتی ہے۔ ماں ایک سایہ دار درخت ہے، جو سایہ بن کر اپنی اولاد کی حفاظت کرتی ہے، اولاد چاہے کتنی بھی بڑی ہو جائے لیکن وہ اپنی ماں کی نگاہ میں اپنا معصوم لخت جگر ہی رہتی ہے۔ غرض دنیا میں ایسا کوئی نہیں ہے جو ماں کی محبت اور اس کی اہمیت کا اعتراف نہ کرتا ہو۔

آیئے قرآن وسنت کی سیر کرتے ہوئے ماں کے مقام ومرتبہ کو جانتے ہیں، سورہ لقمان میں رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَۗ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾[سورة لقمان:۱۴]

’’اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہے تو (انسان) میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کرے، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے‘‘۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے والدین کے مقام ومرتبہ کو واضح کرتے ہوئے ماں کی شان کو ایک الگ انداز میں بیان فرمایا ہے، تاکہ انسان کو معلوم ہو کہ ماں کن کن عظمتوں کی حامل ہے، ماں کے بارے میں فرمایا کہ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا، یعنی اس کی ماں کی کمزوری میں ہر وقت اضافہ ہوتا رہتا ہے، جتنا حمل بڑھتا جاتا ہے اور بوجھ زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی کمزوری میں اضافہ ہوتا ہے، حمل کے بعد عورت کو کمزوری، تھکن اور مشقتیں پہنچتی رہتی ہیں، حمل خود کمزور کرنے والا ہے، دردِ زِہ کمزوری پر کمزوری ہے اور وضعِ حمل اس پر اور مزید شدت ہے اور دودھ پلانا بھی مستقل مشقت کا ذریعہ ہے، ماں کو باپ پر تین درجے فضیلت حاصل ہے۔

یہاں ماں کے تین درجے بیان فرمائے گئے ایک یہ کہ اس نے کمزوری پر کمزوری برداشت کی، دوسرا یہ کہ اس نے بچے کو پیٹ میں رکھا، تیسرا یہ کہ اسے دودھ پلایا، اس سے معلوم ہوا کہ ماں کو باپ پر تین درجے فضیلت حاصل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ماں کی باپ سے تین درجے زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ:"جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ"۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا: میری اچھی خدمت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، اس نے عرض کی: پھر کون ہے؟ ارشاد فرمایا، ''تمہاری ماں''، اس نے دوبارہ عرض کی: پھر کون ہے؟ ارشاد فرمایا ''تمہاری ماں''، عرض کی: پھر کون ہے؟ ارشاد فرمایا: تمہارا باپ۔ [صحيح بخاری:۵۹۷۱]

قرآن پاک نے ایک اور جگہ ماں کے وضع حمل کے درد یعنی دردزہ کو بیان کیا، ایک جگہ وھنا علی وھن کہا تو دوسری جگہ کرھا علی کرہ کہا تاکہ انسان کو یہ احساس ہو کہ اس کی ماں نے اسے ایسے ہی جنم نہیں دیا، تکلیف پر تکلیف، درد پر درد، برداشت کر کے کمزوریوں کا سامنا کرتے ہوئے اسے اس دنیا میں لائی، یاد رکھیں اس احسان عظیم کا ہم کبھی بدلہ چکا نہیں سکتے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے والدین کے احسان مند اور ہمیشہ شکر گزار رہیں، ان کی فرمانبرداری کریں۔
ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں، اوران کے لیے دعا کرتے رہیں۔
قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾[سورة الاسراء: ۲۴]

''اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے''۔

حقوقِ والدین کے بیان کے آخر میں فرمایا کہ ان کے لیے دعا کرو، گویا یہ فرمایا گیا کہ دنیا میں بہتر سے بہترین سلوک اور خدمت میں کتنا بھی مبالغہ کر لیا جائے لیکن والدین کے احسان کا حق ادا نہیں ہوتا، اس لیے بندے کو چاہیے

کہ بارگاہِ الٰہی میں اُن پر فضل ورحمت فرمانے کی دعا کرے اورعرض کرے کہ یارب! میری خدمتیں اُن کے احسان کی جزانہیں ہوسکتیں تو اُن پر رحم کر۔

یادرہے کہ اگر والدین کافر ہوں تو اُن کے لیے ہدایت وایمان کی دعا کرنی چاہیے کہ یہی اُن کے حق میں رحمت ہے، اوردنیاوی اعتبار سے اچھا سلوک ان کے ساتھ بھی لازم ہے۔

ایک اورحدیث میں آتاہے:

”جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ: أَحَيٌّ وَالِدَاكَ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ“.[صحيح البخاری:۳۰۰۴]

”کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس جہاد میں شرکت کی اجازت لینے کے لیے آیا۔آپ نے اس سے پوچھا:”کیاتمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟“ اس نے کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا:”پھرتوتم انہیں دونوں کی خدمت کا ثواب حاصل کرو“۔

کتاب وسنت میں کئی آیات واحادیث موجود ہیں جو ماں کے مقام ومرتبہ، اس کی عظمت وشوکت، اس کے پیار وممتا پر دلالت کرتی ہیں۔

اسلام نے باپ کے مقام ومرتبہ کو بھی بیان فرمایا ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے والدین کی قدر کریں، ان کی موجودگی کوغنیمت جان کران کی قدمت کریں، ان سے خوب دعائیں حاصل کریں، ان کی خدمت کواپنی قسمت سمجھ کر ان کے ساتھ حسن سلوک کریں، یادرکھیں کہ والدین کی موجودگی کسی نعمت سے کم نہیں بالخصوص ماں کی موجودگی، کیونکہ یہ وہ سہارا ہے جس کے چلے جانے سے دنیاویران لگتی ہے۔

کسی نے کیاخوب کہاہے:

لبوں پہ اس کے کبھی بد دعانہیں ہوتی
بس ایک ماں ہے جومجھ سے خفانہیں ہوتی (منوررانا)

رب العالمین سے دعاہے کہ اللہ ہم سب کی ماؤں کا سایہ تادیر قائم رکھے، ہم میں سے جن کی مائیں رخصت ہوگئی ہیں اللہ ان کی مغفرت فرمائے اورجنت نصیب فرمائے۔آمین

❁❁❁

اهل السنة
Ahlus Sunnah
اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

معتبر دینی صحافت کا ایک معتبر نام

ماہنامہ اہل السنة

- فہم سلف کی روشنی میں کتاب وسنت کی دعوت
- عقدی ومنہجی مسائل میں مسلک سلف صحابہ وتابعین کا احیاء وترویج
- سماج میں پھیلے شرک وبدعات اور بدعقیدگیوں پر ایک کاری ضرب
- اختلافی مسائل پر مدلل تجزیات
- علوم الحدیث پر معیاری مضامین
- صحیح احادیث کی اشاعت اور ضعیف احادیث کی نشاندہی
- شریعت کے جملہ علوم وفنون کے اصول وضوابط پر تحقیقی مقالات
- تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کو مہمیز دینے والی تحریریں
- موجودہ مسائل وحالات پر شرعی وفکری تجزیات

اہل السنہ کے ممبر بنیں: فی شمارہ: 40 روپئے | سالانہ ممبرشپ: 400 روپئے

اہل السنة کا تعاون کریں

مجلہ اہل السنة مختلف مساجد، مدارس، جامعات، لائبریریوں اور بعض حضرات کو ماہانہ مفت ارسال کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔

DONATE TO

Special Help 5000/- خصوصی تعاون | Yearly Help 3000/- سالانہ تعاون | Monthly Help 300/- ماہانہ تعاون

| Account Name : ILM Foundation | Account No. : 102801002071 | IFSC Code : ICIC0001028
| Bank Name : ICICI Bank (Savings) | Branch : Andheri Link Road, Mumbai | MCR Code : 400229097

Call for donation : 8291063785 / 8657458182

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی کا تعاون کریں۔ آیئے اس دعوتی کام میں ہمارا ساتھ دیں۔

الحمدللہ اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی **(IIC-Mumbai)** منہج سلف پر قائم جماعت اہل حدیث کا ایک معروف تحقیقی، دعوتی، تعلیمی، رفاہی ادارہ ہے، جون ۲۰۰۸ء سے مستند علمائے کرام کی نگرانی میں اپنی سرگرمیاں انجام دے رہا ہے، اس ادارہ کے مختلف شعبے ہیں، سماج کے تمام طبقات ''بچے، نوجوان، مرد و خواتین'' تک اسلامی تعلیمات پہنچانا اور اسلام سے متعلق شکوک وشبہات کو دور کرنا ہمارا مشن ہے۔ لہٰذا آپ لوگوں سے اپیل کی جاتی ہے اس ادارہ کا زیادہ سے زیادہ تعاون کریں۔ جزاکم اللہ خیرا واحسن الجزاء

- ہفتہ واری اجتماعات
- مکمل تفسیر قرآن
- اسلام واٹس اپ ہیلپ لائن 8080807836 8080801882
- اسلام فون ہیلپ لائن 8080807836 8080801882
- دعوہ ڈیسک وزیٹر (کرلا، اندھری)
- آئی آئی سی او یو Online University
- سوشل میڈیا @ iic mumbai
- سالانہ کوئز
- تحریری فتویٰ
- گھریلو جھگڑوں میں کاؤنسلنگ
- فری قرآن تقسیم
- ماہانہ میگزین ''اہل السنہ''
- ماہانہ راشن کٹ کی تقسیم
- میڈیکل ہیلپ
- zoom آن لائن کورسیز و دروس زوم ایپ پر
- سالانہ کانفرنس
- خواتین کا تعلیمی و دعوتی شعبہ
- بچیوں کے لئے صفہ اسلامک کلاسیز
- بچوں کے لئے صفہ اسلامک کلاسیز
- کتابوں اور پمفلیٹ کی طباعت

PLEASE SUPPORT US

| Account Name : ILM Foundation | Account No. : 102801002071
| IFSC Code : ICIC0001028 | MCR Code : 400229097
| Bank Name : ICICI Bank (Savings)
| Branch : Andheri Link Road, Mumbai

QR CODE - For All Online Bank, UPI Apps Transfer

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Managed by: **ILM Foundation**

Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post

Printed, Published & Owned By: Saad Khalid Patel | Printed at: Alwan Prints, A1/215, Shah & Nahar Industrial Estate, S.J Marg, Lower Parel (West), Mumbai - 400013., Published at: 106, Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai-400010
Editor: Shaikh Kifayatullah Sanabili Mobile: 8657458182